اکوڑہ خٹک
الحق
نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

میں

زیر تعمیر دارالحفظ والتجوید کی عمارت

دارالعلوم حقانیہ میں حفظ قرآن کریم تجوید و قراءت کے شعبوں کو ترقی و توسیع دینے کا پروگرام عرصے سے زیر غور تھا کہ ایک عظیم الشان مستقل عمارت بوجہ درسگاہوں اور اقامتی کمروں کے علاوہ تربیتی لوازمات پر بھی مشتمل ہو۔ اور جو ایک قسم کی دارالتربیت کا کام بھی دے سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے دارالعلوم حقانیہ کے مغربی حصہ میں ایک الگ خطہ مخصوص کر دیا گیا اور پچھلے دنوں حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس شاندار اور وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس وقت تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ تقریباً ۵ لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ کلام خداوندی قرآن کریم کے ضبط و قراءت اور اشاعت و ترویج سے متعلق اس نہایت مقدس عمارت کی تعمیر میں اہل خیر حضرات حسب استطاعت جتنا بھی حصہ لے سکیں یا اپنی طرف سے کمرہ یا درسگاہ بنوا سکیں تو ان شاء اللہ تاقیامت صدقہ جاریہ رہے گا۔

اللہ کی راہ میں

بہتر سے بہتر مواقع انفاق کے متلاشی حضرات

کیلئے

یہ موقع غنیمت ہے

امدادی رقوم بھجواتے وقت دارالحفظ والتجوید کی تعمیری مد کی صراحت ضرور فرمائیں۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

پاکستان

اے۔ بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر: سمیع الحق

فون نمبر۔ دارالعلوم : ۴

〃 رہائش : ۲

جلد نمبر ۱۶

شمارہ نمبر ۵

ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

فروری ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

★

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ، بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

مولانا مرحوم نے راقم الحروف کو قلمبند کرائی جو محفوظ ہے۔ اور کسی موقع پر شائع کی جائے گی۔
احرار نے جہادِ آزادی کے سلسلہ میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو نتیجتہً مولانا کو ۱۹۴۲ء کا سال
ڈیرہ اسماعیل خان جیل میں گذارنا پڑا۔ احراری سرگرمیوں کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند کی رکنیت بھی قائم رکھی اور اس کے
کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو اس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ علماءِ حق کا شیرازہ مجتمع کرنے
کی فکر دامنگیر ہوئی تو ۱۹۵۶ء میں حضرت شیخنا و استاذنا مولانا احمد علی لاہوریؒ کی سرپرستی و قیادت میں جمعیۃ العلماء
اسلام کو وسیع پیمانے پر از سرِ نو منظم کیا۔ مولانا مرحوم پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے، اور حضرت لاہوری قدس سرہٗ
جمعیۃ کے پہلے امیر۔ اور پھر جب علماء کے بچھڑے ہوئے قافلہ کی ترتیب اور نئی شیرازہ بندی میں منہمک ہو گئے تو
اخلاص جوشِ عمل اور سوزِ دروں کا زادِ راہ لیکر اس کام میں وہ صعوبتیں اور مشقتیں اٹھائیں کہ الامان الحفیظ۔ بڑوں
کے ناز اور ہمعصروں کے نخرے اٹھائے، چھوٹوں کی منتیں کیں۔ بزرگوں کے بستر اور جوتے اٹھا اٹھا کر اور خوشامد
کر کر کے انہیں مدرسہ و خانقاہ کے گوشہ ہائے عافیت سے نظم و جماعت اور جہاد و سیاست کی رزم گاہ میں
کھینچنا چاہا اس اثنا رکھی سوکھی پہ گذارا کرتے رہے، جو قوت لایموت ملی بھی اسے اس دور میں جمعیۃ کے آرگن "ترجمانِ اسلام"
کے زندہ رکھنے میں خرچ کیا، یہاں تک کہ موٹا جوٹا کھدر قسم کا جو ایک جوڑا تھا، جمعیۃ کے دفتر دہلی دروازہ میں قیام
کے دوران اسکی دھلائی بھی قیمتاً نہ کر سکتے تو خود لنگی باندھ کر اسے دھو لیتے کہ بچے ہوئے پیسے اخبار کے اخراجات
میں لگ جائیں گے۔

یہ سارا عرصہ دین کی اشاعت باطل کے تعاقب اور جماعتی تنظیموں کے سلسلہ میں "ہر صبح سفر ہر شام سفر" کا
مصداق رہا۔ مگر سفر بھی کیسا کہ بغل میں چھوٹا سا بستہ ایک جوڑا کپڑے اور حوالہ کیلئے فرقِ باطلہ کی دو چار کتابیں، روکھی سوکھی
خشک روٹی، تھرڈ کلاس میں سوار ہوتے جگہ نہ ملی تو چپکے سے کسی کونہ میں چادر بچھا کر بیٹھ گئے، رات بھر پاؤں پھیلانے کی
کوئی جگہ نہ ملی تو بیٹھنے کی نشستوں میں کسی سیٹ کے نیچے چادر بچھا دی اور لیٹ گئے منزلِ مقصود پر پہنچے، خرمنِ باطل
پر یلغار کر دی، اگر کسی جگہ ضابطہ پہ پابندی ہے تو حل دے کر یہ جا وہ جا اور اب کسی اور محاذ پہ شبخون مارنے کے
درپے ہیں۔ نہ صلہ کے طالب نہ ستائش کی تمنا اور نہ میزبان کی میزبانیوں سے لطف اندوز ہونے کی فرصت و
خواہش ۱۹۵۸ء میں جمعیۃ پہ پابندی لگی تو نظام العلماء کے نام سے جمعیۃ اور اخبار کا کام نہایت کٹھن حالات میں
جاری رکھا۔ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کیلئے ہزارہ کے ایک حلقہ سے انتخابات جیت کر منتخب ہوئے یہ
علاقے عموماً دشوار گذار پہاڑوں اور دروں سے اٹے ہوئے تھے، مواصلات منقطع، اور وسائل الیکشن بھی قطعی
ناپید، اور سب سے بڑی مشکل یہ کہ ان علاقوں پہ ایک طویل اور قدیم عرصہ سے جاگیرداروں اور خوانین کی ایسی مضبوط
گرفت تھی کہ بظاہر یہ قبائلی اور نیم آزاد علاقے شخصی راجواڑے اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی صورت اختیار کر

گئے تھے۔ مولوی اور عالم تو اس نظام میں عموماً تیسرے درجہ کا شہری بنا دیا جاتا ہے۔ جس کا کام صرف نماز پڑھانا اور تجہیز و تکفین اور تدفین کے کاموں میں مدد کرنا ہوتا ہے۔ اور بس ان خوانین اور زمینداروں کے خلاف نبرد آزما ہوتا اور ان کے غرور و نخوت کو للکارنا مولانا مرحوم جیسے دل گردے والے شخص کا کام تھا۔ جو واقعی شیرِ سرحد کہلانے کا مستحق تھا۔ عالمی استبداد کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ مولانا ایک طویل عرصہ سے اس علاقائی استبداد اور "خان ازم" سے بھی مصروفِ جنگ رہے۔ الیکشن میں اس بے سروسامان مردِ فقیر نے یہ جنگ بالآخر جیت لی اور اس علاقہ کے علماء اور دینی پسماندہ طبقے بھی معاشرہ میں اس مجد و شرف سے دوبارہ ہمکنار ہو گئے جن کے وہ حقیقی مستحق تھے۔ یہ مولانا کی زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ جو نظروں سے عموماً اوجھل رہا ہے۔

اسمبلی میں پہنچ کر ملک کا وہ سرکردہ طبقہ اب براہِ راست آپ کی زد میں آنے لگا جو اب تک سٹیج اور منبر و محراب سے آپ کا نشانہ بنتا تھا اور جسکی اکثریت کو قرآن کریم نے "اکابر مجرمیھا" سے تعبیر کیا ہے۔ مترفین اور صنادید کا یہ طبقہ مولانا کے تیز و تلخ نشتروں سے تلملا اٹھا۔ اس اثناء میں عائلی قوانین جسے اسوقت کی حکومت نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا دیا تھا، کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔ جن میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اور تعامل صحابہؓ کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی تھی۔ تجدد اور ترقی پسندی کا مقام تجدید و امامت حاصل کرنے کے شوق میں اس وقت کے صدر نے انہیں نافذ کر دیا جس کے محرکات میں اس صدرِ مرحوم کے گھریلو اور خانگی کچھ عوامل بھی کار فرما رہے جس نے بچپن سے موصوف کو "تعدد ازدواج" سے برگشتہ کر دیا تھا۔ اسمبلی میں اس کے خلاف قرارداد پیش ہوئی۔ فضا ناساز بلکہ مخالف تھی۔ مگر مولانا نے برجستہ ایسی عالمانہ اور پرمغز اور مؤثر تقریر فرمائی کہ ایوان کی اکثریت نے اس قرارداد کی تائید کی اور وہ پاس ہو گئی۔ اس سے مغرب زدہ طبقہ عموماً اور آزادئ نسواں کی شوقین خواتین میں خصوصاً اضطراب کی لہر دوڑ گئی، مولانا کا جی بھر کر مذاق اڑایا گیا۔ مگر اظہارِ حق اور غلبۂ حق کی یہ سعادت مولانا کو حاصل ہو گئی۔ بعد میں جب وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تب بھی ان قوانین کے خلاف مؤثر ترجمانی کی۔ اور اسمبلی میں موجود تجدد پسند خواتین ان کے چبھتے ہوئے ظریفانہ نشتروں سے سٹپٹا کر رہ جاتیں۔ نشتر زنی اور حاضر جوابی سے مقابل کے وار کو اُسی کیطرف پلٹا دینا مولانا کی پوری اجتماعی اور پارلیمانی زندگی کا ایک دلچسپ باب ہے۔

بالآخر رفتہ رفتہ مولانا کا شہرہ ملک سے باہر بھی پہنچا۔ ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء میں انہوں نے دو دفعہ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ میں شرکت کی اور عالمی علماء و ارباب دانش سے خطاب کیا۔ پہلی بار ۱۹۶۴ء میں قاہرہ سے واپسی پہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ خوش قسمتی سے احقر بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت بنوریؒ حضرت مفتی محمودؒ حضرت مولانا ہزاروی مرحوم یہ تینوں اکابر اکھٹے تھے۔ پھر عرفات میں بھی ان اکابر کی ایک گونہ ہمرکابی کا شرف ملا۔ مولانا مرحوم کا حرمین بالخصوص مدینہ طیبہ میں سوز و گداز، استغراق و انہماک قابلِ دید تھا۔ پھر تو بارہا سعادتِ حج و زیارت سے مشرف ہوتے

اس معاملہ میں مجھ جیسے اصاغر کی مخالفانہ رائے معلوم ہوئی تو ایک بار پھر مجھے نشانہ بننا پڑا۔ بہرحال اتحاد ہوگیا، حکومت قائم ہوگئی، اُدھر ملک میں ایک لیسے آمر کا دور دورہ تھا۔ جو بڑی عیاری سے اسلام، غریب اور مزدور کا نام استعمال کرتا تھا۔ یہ غریب اور مزدور قسم کے نعرے بھی مولانا کا زندگی بھر کمزوری رہے۔ وہ عمر بھر جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ ذہنیت سے متنفر تھے۔ خود شان بوزری لئے ہوتے تھے اور ذہن و فکر کے ساتھ اپنے قلندرانہ انداز میں بھی مولانا حسرت موہانی مولانا عبید اللہ سندھی جیسے حضرات کا نمونہ تھے۔ اس وقت کے حکمران کو مولانا کی اس طبیعت کا اندازہ تھا، اس نے بڑے شاطرانہ انداز میں اسلام کے ایک مخلص سپاہی کا لبادہ اوڑھ کر عجز و انکساری کا پیکر بن کر مولاناؒ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا ان کے شاطر حوارین اور مقربین نے بھی مولانا کو نرغے میں لے لیا نفاذ اسلام اور غریبوں کے انقلابی منصوبے اور عزائم ان کے سامنے رکھتے رہے اپنوں کے بارہ میں بھی مولانا نے کچھ بے اعتنائی کچھ بے نیازی اور قدر مراتب کو ملحوظ نہ رکھنے کا رویہ محسوس کیا جس نے بُعد و گریز کی یہ خلیج اور بڑھادی۔ اور رفتہ رفتہ وہ اقتدار کے اس کیمپ میں چلے گئے جن سے ان کی جمعیۃ برسرپیکار تھی۔ اس بارہ میں بھی مولانا کی ایک رائے تھی کہ عوام بالخصوص نوجوان نسل اور مزدور اور پسماندہ طبقہ نے انتخابات میں جس بھاری اکثریت سے بھٹو مرحوم کا ساتھ دیا تھا وہ تعلق و اعتماد مولانا کے خیال میں اب بھی قائم تھا۔ (جو درحقیقت مولانا کی خوش فہمی تھی) اور ملک کی اتنی بڑی طاقت خاص طور سے نئی نسل کے نوجوانوں کے ساتھ محاذ آرائی میں اسلام اور علماء کرام کیلئے مصلحت بینی نہیں انہیں اپنے سے متنفر کرنے کی بجائے ان سے مل کر اس قوت و طاقت کو دین کیلئے استعمال کیا جائے۔ یہ مولانا کی ایک اجتہادی رائے تھی، حالات نے ثابت کر دیا کہ وہ سراب کو پانی سمجھ بیٹھے تھے۔ یہ مولانا کی اجتہادی غلطی تھی مگر نیت میں اگر خلوص ہو اور ہوی و ہوس اور ذاتی نفع و نقصان کے شائبہ سے اگر عمل خالی ہو تو۔ اللہ کریم ایسی غلطیوں پر بھی اجر حسن عطا فرما دیتے ہیں۔ اس سارے مرحلہ میں جبکہ انہیں جان سے زیادہ اپنی عزیز جماعت سے ہاتھ دھونا پڑا جسے انہوں نے بویا تھا۔ اور پھر خون پسینے سے سینچا تھا۔ اور جو ان ہی کے نام پر ہزاروی گروپ کہلایا۔

کسی بدترین مخالف کو بھی یہ ثابت کرنے کی ہمت نہ ہوئی کہ مولانا نے اپنی ذات کے لئے کچھ نفع اٹھایا، بنگلے پرمٹ اور پلاٹ حاصل کئے۔ نہ تو وہ بکے نہ جھکے، ایک رائے قائم ہوئی، غلط یا صحیح اور اس پر ایسے ڈٹ گئے کہ ساری دنیا ایک طرف اور ان کی بے لچک طبیعت ایک طرف، نہ اپنوں کی خفگی کی پرواہ، نہ کسی کو خوش کرنے کی خواہش، مخالفین نے جو الزامات لگائے وہ بھی محض سیاسی مخالفت میں جنہیں ان کا بے ضمیر ضمیر خود بھی جھٹلاتا تھا۔ مگر جس جماعت سے الگ ہوئے تھے۔ اس کے اکابر الزامات تو کیا لگاتے، ایسے ہر قسم کے طمع و لالچ ترغیب و تحریص پر مبنی الزامات کی برسرعام نفی کرتے اور مولانا مرحوم کی صفائی کرتے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ

نے احقر کو زندگی کے آخری ملاقات میں جو ۳ ستمبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں ہوئی کسی بات کے دوران کہا کہ میرا ایمان ہے کہ مولانا ہزاروی بکے نہیں نہ کچھ فائدہ اٹھایا مگر اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اور دشمن کی عیاری اور شاطرانہ داؤ پیچ میں آکر کٹ گئے۔ یہ مولانا کی مخلصانہ زندگی پر ایک واضح شہادت ہے۔ جو ان کے عمر بھر کے ساتھی مگر آخری دور کے حریف نے متعدد بار دی۔

بہر حال حکومت کے ساتھ مصالحت آمیز رویّہ کے بعد ایوان میں اسلامی مسائل کے بارہ میں مولانا کے اندازِ بیان میں وہ گھن گرج، شدت، اور تلخی تو باقی نہ رہ سکی مگر کوئی بھی موقعہ اظہار حق اور دینی موقف پیش کرنے کا آیا تو مولٰنا نے ایوان کے ساتھی علماء سے الگ تھلگ رہ کر بھی پورے خلوص وللہیت سے فریضۂ اظہار حق میں کوتاہی نہ کی وہ حکومت کے ہمنوا تھے مگر آئین سازی کے موقع پر نہایت اہم اسلامی اور جمہوری ترامیم پیش کرتے رہے جو ریکارڈ پر موجود ہیں قادیانی مسئلہ آسمبلی کے سامنے آیا تو پورے حزب اختلاف نے متفقہ طور پر " ملت اسلامیہ کے موقف " کے نام سے بیان مرتب کیا جسے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قدس سرہٗ نے کئی نشستوں میں پڑھ کر سنایا۔ جس کا آدھا حصہ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے قلبند کیا اور آدھے حصے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو دی۔

حضرت مولانا ہزاروی مرحوم ظاہر ہے کہ حزب اختلاف کیطرف سے پیش کئے جانے والے اس بیان پر دستخط نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا مزاج ہی اسے قبول نہیں کرتا تھا مگر انہوں نے سکوت ولاتعلقی بھی اختیار نہیں کی بلکہ محضر نامہ کے نام سے دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک طویل مدلل اور محققانہ مقالہ قلبند کر اکر شائع کیا اور پھر اسے ارکانِ اسمبلی میں تقسیم کیا یہ کام آٹھ دس دن ہی میں کرنے کا تھا۔ ہمارے ساتھ تو پوری ٹیم اور جماعت تھی جس نے کتابت وطباعت کا یہ معرکہ سر کیا مگر مولانا مرحوم نے بالکل اکیلے یہ ہفت خوان سر کیا، کتنے مصائب جھیلے ہوں گے۔ پروف بھی خود دیکھا پریس کے چکر بھی اس زار ونحیف بوڑھے سپاہی نے اکیلے کاٹے۔ مولانا کی ایک بڑی نایاب و نادر خوبی سیاست کے ہنگاموں، سٹیج کے شور وشر، بحث ومناظرہ کی گرماگرمی کے ساتھ ساتھ زہد و ریاضت اور اوراد وظائف، شب بیداری اور اپنے رب سے سوز وگداز کے روابط کا برقرار رکھنا تھا جو اس دور میں عنقا سے کم نہیں۔ وہ بلاشبہ باللیل رھبانٌ وبالنھار فرسان۔ (رات کو راہب دن کو شہسوار) کا نمونہ تھے۔ جام شریعت کے ساتھ سندانِ عشق نباہنا تو سنتے ہیں۔ مگر خارزار سیاست میں شریعت وطریقت کے ساتھ ساتھ سوز و ساز روی اور پیچ وتاب رازی کی قبائے افتخار کو بھی تار تار ہونے سے بچا کر چلنا اس ضیغم اسلام ہی کا کام تھا۔

کون کون سی ادا اور کون کون سی خوبی ہے جس سے ہمارے ان بزرگوں کا گلشن حیات مالا مال نہیں۔ وہ جب گذر جاتے ہیں تو ہمیں قدر آتی ہے۔ پھر ایک ایک بات کو لوگ لئے روتے ہیں کہ زمانہ نہایت بانجھ ہوتا جارہا مہیب خلاؤں کا سماں ہے۔ مولانا مرحوم کا ذکر چلا تو عنان قلم روکنے سے بھی نہ رک سکا۔

مولاناؒ کے جنازہ پر جاکر زیارت اور کاندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی، فقر و قناعت، زہد و تقویٰ، جہاد و سیاست، حمیت و شجاعت کا یہ گنج گرانمایہ سپردِ خاک کر دینے کے بعد جب ہم لوگ دیارِ لیلیٰ کی تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے واپس ہو رہے تھے تو ایک ثقہ متدین قسم کے بزرگ نے مجھے ایک واقعہ سنایا اور اسی واقعہ پر ان سطور کو ختم کرتا ہوں:

" مولانا مرحوم کے جوش و جوانی کا دور تھا، اب جبکہ وہ نرینہ اولاد سے محروم دنیا سے کوچ کر گئے مگر مولانا کی نرینہ اولاد پیدا ہوئی، ایسے ایک موقع پر مولانا کا صاحبزادہ اکلوتا بیٹا جو بڑھاپے کا سہارا بن سکتا تھا۔ شدید بیمار ہوا، بیماری سکراتِ موت کی حدود میں داخل ہوئی کہ اچانک بالاکوٹ سے اطلاع آئی کہ وہاں قادیانیوں نے پر پرزے نکال لئے ہیں۔ اور فوراً پہنچنے کی ضرورت ہے۔ مولانا نے جاں بلب لختِ جگر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ تقریر و مناظرہ کی کتابیں بغل میں اٹھائیں اور چل پڑے۔ لوگوں نے بے حد روکا کہ بچے کی حالت مخدوش ہے۔ فرمایا تم لوگ موجود ہو اور وہاں ناموسِ ختمِ نبوت کے تحفظ کی بات ہے۔ روانہ ہوئے۔ ابھی بفہ کی ذیلی سڑک سے بالاکوٹ جانے والی سڑک پر پہنچے تھے کہ کسی نے نورِ نظر بیٹے کی وفات کی اطلاع دی۔ فرمایا تم لوگ دفن کر دینا، اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ مجھے بالاکوٹ پہنچ کر قادیانیوں کا تعاقب کرنا ہے۔ اللہ اور رسول کی بات ہر چیز پر مقدم ہے۔"

مولاناؒ نے بیٹے کے آخری دیدار اور پدری شفقت و محبت کو بھی ناموسِ دین پر قربان کر دیا۔ اور اپنے روحانی مقتدا سیدنا ابراہیمؑ کی سنت کی پیروی کی ایک اور تابندہ مثال قائم کر دی۔ مجھے خیال آیا کہ کیا عجب آج کی شام بھی ملاءِ اعلیٰ ایک بار پھر اس ندائے ربانی سے گونج اٹھی ہو کہ:

ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین○ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

سمیع الحق

علم کی روشنی

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی

ایک تازہ تقریر

عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہومان لا یشبعان منہوم فی العلم لا یشبع منہ و منہوم فی الدنیا لا یشبع منہا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز! آپ حضرات کی دعوت پر میں حاضر تو ہو گیا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ آپ کے سامنے کیا کہوں۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ کہوں گا وہ آپ جانتے ہیں۔ ایسی کوئی نئی بات سمجھ میں نہیں آتی جو آپ کے علم میں نہ ہو اور میں اسے علم میں لاؤں آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں علم کی دولت سب سے بڑی دولت ہے، اور علم کی روشنی سب سے بڑی روشنی ہے۔ آپ کو سورج کی روشنی سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے، پورے عالم پر پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کے ذریعہ صرف رنگ اور صورت کا علم ہوتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی اسلام اور کفر کا فرق بتلاتی ہے۔ سنت و بدعت میں امتیاز سکھاتی ہے۔ حق و باطل کی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ انبیاء علیہ السلام کا طفیل ہے۔ ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے اور ان حضرات کا لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے کہ انھوں نے علم کی روشنی پیش کی جو ہمارے لئے اچھائی برائی بھلے اور بُرے کے درمیان تمیز کا ذریعہ بنی۔

تحصیل حاصل آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ علم تعلیم سے آتا ہے۔ اور آپ سبھی حضرات تعلیم میں مشغول ہیں۔ اسباق میں حاضری ہے، مطالعہ ہے۔ آپس میں مذاکرہ ہے، غرضیکہ رات دن آپ علم ہی کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ اس لئے اسکی نصیحت کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر عمل کے سلسلے میں کچھ کہا جائے تو آپ کہیں گے کہ سب سے بڑا عمل خود علم کا حصول ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کے درمیان جب یہ بحث ہوئی کہ کثرتِ نوافل افضل ہے یا زیادت علم تو کثرت سے فقہاء زیادت علم ہی کی افضلیت کے قائل ہوئے۔ آپ حضرات تحصیل علم میں لگے ہوئے ہیں جو سب سے بڑا عمل ہے اس کے علاوہ فرائض وغیرہ کی ادائیگی میں بھی آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوتی نماز کے لئے آپ جوق در جوق آتے ہیں۔ ہر وقت مسجد بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دارالعلوم کی مسجد تو آپ سے پُر رہتی ہی ہے۔ شہر کی مسجدیں بھی آپ لوگوں سے آباد ہیں۔ لہٰذا اگر عمل کے سلسلے میں کچھ عرض کروں تو بھی آپ کہیں گے کہ عمل تو ہم کر

ہی رہے ہیں۔ جہاں تک آپ لوگوں کی اخلاقی حیثیت کا تعلق ہے وہ بھی درست ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہم پچھلوں کے اخلاق سے موازنہ کرتے ہیں تو کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم دورِ حاضر کے دوسرے طبقوں کے اخلاق و کریکٹر پہ نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نہ صرف یہ کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بلکہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آپ حضرات ہی کا وہ طبقہ ہے جو اس اخلاقی قحط کے دور میں بھی اپنی ایک امتیازی شان رکھتا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں بھی کچھ کہنا فائدے سے خالی ہی ہوگا۔ اور اصولی و نوعی طور پہ یہی کچھ دائرے تھے کہ جن کے متعلق کچھ کہا جا سکتا تھا، اور بفضلہ تعالیٰ یہ ساری چیزیں آپ کو حاصل ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی چیز آپ حضرات کے سامنے رکھی جائے جو مفید ہو۔ اس وقت مجھے مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ اور مقولہ یاد آیا وہ یہ کہ آپ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہو کر واپس ہوتے ہیں تو کافی عرصے تک کوئی خط و کتابت نہیں کی۔ آخر کار حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا کے پاس ایک خط لکھا کہ جملہ متوسلین کے خطوط برابر آتے رہتے ہیں جس سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں مگر ایک مدت گزری آپ کی کوئی حالت معلوم نہ ہو سکی اپنے حالات لکھئے تاکہ اندازہ ہو سکے۔

مولانا نے جواب دیا اور ابتدا اس طرح کی :

"حضرت مجھ محروم القسمت کا تو کوئی حال ہی نہیں۔ اگر کوئی حال ہوتا تو عرض کرتا پھر اخیر میں لکھا کہ البتہ حضرت کی جوتیوں کے طفیل میں تین باتیں اپنے اندر پاتا ہوں، ایک یہ کہ امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن گئے ہیں۔ گویا نماز روزہ اور دوسری عبادات ادا کرنے کے لئے ایسا مجبور ہوں جیسے بھوک کے وقت کھانے کے لئے اور پیاس میں پانی کے لئے دوسری بات یہ کہ مادح و ذام یکساں نظر آتے ہیں۔ کوئی ہزار تعریف کرے ہزار مذمت کرے نفس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا گویا مخلوق کچھ بھی کہتی رہے اسکی نہ کچھ پرواہ ہوتی ہے۔ اور نہ قلب پہ کوئی اثر ہوتا ہے اور تیسرے یہ کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نہیں معلوم ہوتا تعارض تو کیا موزونیت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ ہر کلّی اپنی جگہ پہ ٹھیک اور درست دکھائی دیتی ہے۔

یہ قوتیں | امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن جائیں یہ قوتِ عملیہ سے ہوتا ہے۔ اور لوگوں کی تعریف و برائی کا یکساں معلوم ہونا یہ قوتِ اخلاقی کا تقاضہ ہے۔ قوتِ عملی کی انتہا یہ ہے کہ آدمی میں طاعت کی رغبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ بغیر اس کے کئے ہوئے چین ہی نہ آئے قوتِ اخلاقی کی انتہا یہ ہے کہ اس درجہ غنا پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی تعریف و برائی یکساں معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح قوتِ علمی کی انتہا یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ہر چیز اپنی جگہ پہ بالکل درست اور ٹھیک معلوم ہو اور شریعتِ اسلامیہ ایک گلدستہ نظر آتی ہو۔ سعادتِ انسانی کے لئے انہیں تین چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ علمی قوت، عملی قوت، اخلاقی قوت اور آپ ایسی جگہ میں ہیں جو علمی، عملی، اخلاقی سبھی قوتوں کا مرکز ہے۔ جہاں ایسی ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل تھیں۔ میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسی باکمال

شخصیتوں کی شکلیں دیکھنے اور بعض سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔ استادِ محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ، اللہ اکبر چلتا پھرتا کتب خانہ تھے ، اتباع سنت کا یہ حال کہ ان کے عمل کو دیکھ کر مسائل نکالے جاتے تھے۔ ایسے ہی حضرت مولانا مدنیؒ جو اپنی مثال آپ تھے اور حضرت شیخ الہندؒ ان تمام حضرات کی زیارت کے شرف کے ساتھ ساتھ ان سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔ حضرت تھانویؒ کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور حسب توفیق استفادہ کا بھی شرف نصیب ہوا۔ یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں کا ایک ایک شخص پوری پوری قوم کے برابر ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ملک کے گوشے گوشے میں مواعظ کہے اور ایک ہزار کے قریب تصانیف کیں۔ بہت سے علماء مل کر بیٹھیں تو بھی اتنا کام مشکل سے ہو سکے گا ، حق تعالیٰ نے آپ سے ایسے کام لئے جس کا ایک قوم اور ایک جماعت سے ہونا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جائے بزرگاں بجائے بزرگاں | یہ کیسے ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے اثرات اس جگہ اور اس ادارہ میں نہ ہوں ایک پھول کپڑے کو لگ جاتا ہے تو اس پر اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے دیر تک کپڑے سے خوشبو آتی رہتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شجرۃ الرضوان کے نیچے بیٹھ کر چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی ، اور آپ کے اس تھوڑے سے قیام کی وجہ سے اس جگہ کو آپ سے ایک نسبت حاصل ہوگئی تھی۔ اور وہ جگہ مقدس و متبرک ہوگئی تھی۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ ان برکات کو محسوس کرتے تھے اس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے۔ دعائیں مانگتے تھے ، بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا ابھی تو خیر القرون ہے۔ اور اس درخت کے ساتھ امت کی عقیدت کا یہ حال ہے بہت ممکن ہے کہ کل کو ایسی نسلیں آئیں جو عقیدت میں غلو سے کام لیں اور پھر اسکی وجہ سے شرک و بدعت کا دروازہ کھل جائے اس درخت کو کٹوا دیا۔ اس واقعہ سے آپ کو یہ بتانا تھا کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں والا مقولہ بالکل صحیح ہے پس یہ ادارہ جہاں اکابر اولیاء اور اپنے وقت کے مسلم قطب و ولی رہ چکے ہیں۔ ان کے پاکیزہ اثرات سے اس کے در و دیوار کب خالی رہ سکتے ہیں۔

حاصل یہ کہ آپ ایک ایسے ادارے میں ہیں جسے طرح طرح کی نسبتیں اور تقدس حاصل ہے۔ جو برکات یہاں ملتی ہیں وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتیں دارالعلوم کی ایک ایک جگہ کے بارے میں اکابرین کے مکاشفات ہیں۔ نو درہ کی عمارت کے بارے میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا مکاشفہ ہے کہ عرش سے ایک مسلسل لڑی ہے۔ جو نو درہ کی درسگاہوں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ تجربہ یہ ہے کہ جتنا یہاں بیٹھ کر کتابیں سمجھ میں آتی ہیں ، دوسری جگہ نہیں آتیں۔ نو درہ کے سامنے کی جگہ جہاں جنازہ رکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا یعقوب صاحبؒ کا مکاشفہ ہے کہ جس کے جنازے کی نماز یہاں ہو جائے وہ مغفور ہوتا ہے۔

الہامی درسگاہ | بھائی یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا ہے اسکی تعمیر بھی الہام سے ہوئی

اور طلباء کا داخلہ بھی الہام سے ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے اساتذہ کا تقرر اور تعین بھی خاص زاویوں میں ہوتا ہے۔ اور یہاں کی خدمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس مدرسہ کا آغاز اور مدرسوں کی طرح کسی رسمی مشورے سے نہیں ہوا بلکہ وقت کے اکابر و مشائخ کا ایک اجماع سا ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دارالعلوم کی تاسیس کے وقت میں کسی کو کشف ہوا کہ یہاں پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔ کسی نے خواب میں دیکھا کہ یہاں ایک مدرسہ کا قیام ہونا چاہیئے کسی پر القاء ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام کا تحفظ دینی اداروں سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح تعمیر کے وقت بنیاد کھودنے کے لئے کچھ نشانات لگا دیئے گئے، جتنا احاطہ اب ہے اس سے آدھے پر نشان لگایا گیا تھا۔

دارالعلوم کے پہلے مہتمم | دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ تارک الدنیا اور نہایت ہی قوی النسبت بزرگ تھے۔ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ کتاب پڑھ سکتے تھے، مولانا نانوتویؒ نے انہیں بلایا اور اہتمام پیش کیا، آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں نہ تو لکھنا جانتا ہوں، نہ پڑھنا۔ مجھے مہتمم بنا کر کیا کیجیے گا۔ حضرت نے فرمایا نہیں منجانب اللہ یہی مقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی اہتمام قبول کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرما لیا۔

مبشرات | حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ مولسری کے احاطہ میں جو کنواں ہے اس کی من پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ دودھ لینے والوں میں سے بعض کے ہاتھ میں گھڑا ہے۔ بعض کے ہاتھ میں لوٹا ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے وہ ہاتھ پھیلا کر چلّو ہی سے پی لیتا ہے۔ حضرت جب بیدار ہوئے تو مراقبہ فرمایا کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دودھ صورت مثالی علم کی ہے۔ اور قاسم العلوم نبی اکرمؐ ہیں۔ آپ علم تقسیم فرما رہے ہیں۔ اور طلباء فرق مراتب کے ساتھ علم حاصل کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کا علم لوگوں کو اسطرح ہوا کہ ایک بار شاہ رفیع الدین صاحبؒ احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ لیکر آپ کے سامنے آیا اور اسے پھینک کر کہنے لگا: "نہ اس میں گھی ہے اور نہ مصالحہ اور شاید مفتی صاحب اس سے وضو کے جواز کا فتویٰ بھی دیدیں۔ یہ ہے آپ کا اہتمام۔"

جب وہ طالب علم چلا گیا تو آپ نے پوچھا کیا یہ مدرسہ دیوبند ہی کا طالب علم ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں حضرت یہ مدرسے ہی کا طالب علم ہے اور مطبخ سے اس کا کھانا ہے اور مطبخ کے رجسٹر میں اس کا نام درج ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں! یہ مدرسہ کا طالب علم معلوم نہیں ہوتا۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی نام کا ایک دوسرا طالب علم ہے۔ اصل میں کھانا اس کا تھا لیکن نام میں اشتراک کی بناء پر غلطی سے ٹکٹ اسے مل گیا تھا طلبہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضرت بات تو وہی

ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔ مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہُوا۔ اس پر آپ نے دودھ والا واقعہ بیان فرمایا اور اس کے بعد جو عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ جب شوال میں طلباء داخل ہوتے ہیں تو میں ایک ایک کو دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا۔ اس طالب علم پر میں نے تین مرتبہ نگاہ ڈالی تو مجھے یہی معلوم ہُوا کہ یہ اس مجمع میں شریک نہیں تھا۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا اور طلبہ کا انتخاب بھی الہام سے ہوتا ہے۔ اور اس کا سنگ بنیاد بھی الہام ہی سے رکھا گیا۔ بنیاد کے لئے لوگوں نے جو نشان لگایا تھا۔ اس پر ابھی کام شروع نہیں ہوا تھا۔ کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرمؐ تشریف لائے ہیں عصائے مبارک ہاتھ میں ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ احاطہ تنگ رہے گا۔ کافی نہیں ہوگا۔ چنانچہ آپ نے مولانا نصیر احمد صاحب کی درسگاہ کے پاس سے نشان لگایا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لکیریں بالکل اسی طرح موجود ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ بنیاد اسی پر کھودی جائیگی۔ اب مجھے کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن تو چیزے دیگری | آپ حضرات ایک ایسے مقام پر ہیں کہ جسے سینکڑوں بزرگوں کی نسبتیں حاصل ہیں۔ مجموعی اور غیر شعوری طور پر وہ ساری نسبتیں کام کر رہی ہیں۔ اس لئے میں نے ابھی آپ سے کہا تھا کہ جو علم اور جو خیر و برکت یہاں ہے۔ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ کتابیں وہی ہوتی ہیں، الفاظ وہی ہوتے ہیں مگر حقائق و کیفیات میں فرق ہو جاتا ہے۔ میں نے مشکوٰۃ شریف اپنے والد مرحوم مولانا حافظ احمد صاحبؒ سے پڑھی تھی۔ والد صاحب جس وقت برزخ، موت، قیامت، حشر و نشر سے متعلق احادیث پر پہنچے اور تقریر شروع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میدان قیامت سامنے ہے۔ یہ قبر ہے، حساب کتاب ہے، عذاب و ثواب ہے، اس انداز اور ایسی کیفیت سے تعلیم ہوتی کہ ہم محسوس کرتے کہ یہی حالات ہمارے اوپر طاری ہو رہے ہیں۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا | دارالعلوم پر ایک وقت وہ بھی گذرا ہے کہ مہتمم سے لیکر دربان تک سب ہی اہل نسبت تھے۔ حاجی عبداللہ صاحبؒ دربان تھے۔ نوشت و خواند کچھ نہ تھی۔ لیکن صاحب نسبت بزرگ تھے صبح صادق پر جو دارالعلوم میں گھنٹہ بجتا ہے۔ اس کے بجانے کا کام انہی کے سپرد تھا۔ پہلی ضرب لگاتے تو زبان پر سبحان اللہ ہوتا، دوسری پر الحمدللہ اور تیسری پر اللہ اکبر کے ایک نعرہ کے ساتھ پھر یہ شعر زبان پر عجیب کیفیت سے لاتے ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

یہ منظر کچھ ایسا ہوتا کہ جو سنتا بے اختیار اس پر بکاء طاری ہو جاتا۔ حاصل یہ کہ یہ ایک مثالی جگہ ہے۔ اسے نہ جانے کیسی کیسی نسبتیں حاصل ہیں۔ یہاں کم سے کم درجے کا طالب علم آتا ہے اسکو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے۔ اس جگہ پر

رہ کر محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں۔ تو بھائی اگر نسبتوں کے بارے میں کچھ بات کی جائے تو بفضلہ تعالیٰ وہ بھی موجود ہے۔ مگر ہاں اسی کے ساتھ ساتھ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ ایک تو اصل علم اور راس العلم ہے۔ جسے آپ حاصل کر رہے ہیں۔ اور جو آٹھ دس سال میں حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اسی پر قناعت نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اضافہ کی برابر کوشش کرتے رہنا چاہیئے جسطرح اصل علم مطلوب ہے ویسے ہی زیادۃ فی العلم بھی مطلوب ہے۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔" حالانکہ آپ کو وہ علوم دیئے گئے تھے۔ جو ساری کائنات میں سے کسی کو نہیں دیئے گئے چونکہ یہ انسان کی صفت نہیں ہے بلکہ اللہ کی صفت ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات غیر محدود ہیں۔ اس لئے آپ جتنا بھی علم حاصل کرتے جائیں گے جہالت دور ہوتی چلی جائے گی۔ اور آگے میدان مزید نظر آئیگا۔

فنانی العلم شخصیت | حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ مرض وفات میں ہیں۔ ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ کہ آپ مطالعہ نہ فرمایا کیجئے مگر جب ڈاکٹر چلے جاتے تو آپ فوراً مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ لوگ کہتے کہ حضرت ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو فرماتے بھائی کیا کروں۔ یہ مرض مطالعہ کا بالکل لاعلاج مرض لگا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ چند ساعت ہی ترک مطالعہ کرتے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی ولادت اولیٰ مطالعہ پر ہی تھی حضرت کو زیادۃ فی العلم کی ایک دھن لگی ہوئی تھی اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حفظ اتنا قوی دیا تھا کہ جو چیز ایک بار دیکھ لیتے تو عمر بھر کے لئے کافی ہو جاتی خود ایک بار درس میں فرمایا کہ جو چیز نظر سے گذر جاتی ہے۔ پھر فراموش نہیں ہوتی، درس میں معروف ومشہور کتب تو درکنار غیر متعارف قلمی نادر کتب کا حوالہ بتقید صفحات وسطور اس طرح دیتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید گذشتہ رات ہی حضرت نے ان کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ لیکن اس قدر قوت حفظ کے ہوتے حضرت نے تیرہ بار فتح الباری کا از اول تا آخر مطالعہ کیا تھا۔ بتایئے کہ جس کے ایک بار کتاب دیکھ لینے کے بعد یہ عالم ہو کہ سالہا سال کے بعد بھی مستحضر، تو تیرہ بار فتح الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا عالم ہوگا۔ آپ کے یہاں حدیث کا درس ہوتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سارے ہی فنون کا درس ہوتا تھا۔ افسوس کہ آپ کی بتائی ہوئی باتیں اور تقاریر محفوظ نہ رکھ سکا

جد وجہد اور علمی مجاہدے | تو بھائی علم آدمی کو محنت سے ملتا ہے۔ دھن سے ملتا ہے۔ یہ دھن پیدا ہو جانی چاہیئے کہ ہمیں علم حاصل کرنا ہے اور اس کو سود در سود کر کے بڑھاتے ہی چلے جانا ہے۔ جب دھن پیدا ہو جائے گی تو آپ زیادہ سے زیادہ کتب بینی کریں گے اور جب آپ کتب بینی کے عادی ہو جائیں گے۔ تو پھر آپ میں تفقہ پیدا ہوگا۔ اور جب تفقہ پیدا ہو جائے گا تو آپ کسی شے کے محض حکم ہی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ اسکی حکمت کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے اور جب حکمت معلوم کرلیں گے تو اس سے بڑھ کر علت معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور جب علت معلوم ہو جائے گی تو آپ اس پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ اس وقت آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ کہ علت کا رابطہ اللہ تبارک تعالیٰ کی کس صفت سے ہے۔

قدیم روایت

ایک بات آپ حضرات سے کہدوں کہ جسطرح آپ علم حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں مجاہدہ کرتے ہیں، مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی عملی اور اخلاقی قوت مضبوط نہیں ہوگی، علم کام نہیں دے گا۔ ایک عالم میں اگر کبر ہو حسد ہو بغض ہو کینہ ہو حریص ہو تو وہ خود بھی ذلیل ہوگا۔ اور علم کو بھی ذلیل کرے گا۔ اسلاف جب علم سیکھ لیتے تھے تو اس کے بعد مستقل طور پر عملی بھی سیکھتے تھے۔ خود دارالعلوم پر نصف صدی ایسی گذری تاوقتیکہ شیخ کامل سے اجازت نہ ہوتی۔ دارالعلوم اپنی علمی سند نہ دیتا۔ گویا علم وعمل کی تکمیل کا نام سند تھا۔ میں نے آپ کے سامنے جو حدیث پڑھی تھی کہ یعنی نہ تو کوئی طالب دنیا کبھی سیر اور نہ طالب علم سیر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی طالب مال کو کسی حد پہ قناعت ہوتی ہے اور نہ طالب علم کو بلکہ حرص بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سو روپیہ ہیں تو وہ دو سو کی خواہش میں رہتا ہے۔ اگر دو سو ہیں تو چار سو کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی عالم کو اگر سو مسئلے معلوم ہوگئے تو وہ دو سو معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے، جب علم کی طلب اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو علم خود ہی عمل کو دعوت دیگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ جس قدر علم بڑھتا جائے گا خشیت بڑھتی جائیگی اور جب خشیت بڑھے گی تو آپ یقیناً طاعت کی جانب مائل ہوں گے۔ اس لئے کہ علم کے لوازم میں عمل ہے۔

احساس مسئولیت

ابھی تو آپ حضرات کا طالب علمی کا زمانہ ہے ابھی آپ دوسروں کی نگرانی میں رہتے ہیں اور یہاں رہ کر آپ صالح بن رہے ہیں۔ مگر یہاں سے جانے کے بعد آپ خود نگران بنیں گے اور آپ کو مصلح بننا ہوگا۔ پھر آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل آئیں گے اور اس کے مطابق آپ کو تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ آپ کے سامنے ملک وقوم کے حالات ہوں گے اور آپ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت قوم میں کونسی بیماریاں ہیں، کیا کوتاہیاں ہیں ان کے اسباب کیا ہیں؟ اور ازالہ کی تدابیر کیا ہوں گی ایسے ہی یہاں سے نکلنے کے بعد آپ کے سامنے شرک و بدعت کا میدان ہوگا اور عیسائیت و یہودیت سے بھی مقابلہ رہے گا۔ اگر آپ نے ان کاموں کے لئے ابھی سے تیاری نہ کی اور محنت ومشقت کرکے میدان کو ہموار نہ کرلیا تو آگے چل کر آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ظاہر ہے۔

ایک تمنا اور نخل آرزو

میری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے صرف عالم اور صالح ہی بن کر نہ نکلیں بلکہ معلم اور مصلح بن کر نکلنے کی کوشش کریں اس لئے کہ قوم منتظر ہے کہ ہمارے نونہال دارالعلوم میں پڑھنے گئے ہیں وہ آئیں گے ہماری اصلاح کریں گے ہمیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگائیں گے۔ اور ہماری پریشانیوں کا حل ہوں گے لہٰذا آپ ان چیزوں کے سلسلے میں خود بھی سوچیں اس کا حل نکالیں اپنے اساتذہ سے سوالات کریں پھر نہ آپ کو ایسا وقت ملے گا نہ ایسے اساتذہ ملیں گے اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم یہ سب بھی کرتے رہتے ہیں تو خیر کوئی حرج نہیں اس لئے میں نے یہ چند باتیں آپ لوگوں سے عرض کردیں آپ نے جس محبت وخلوص سے یاد فرمایا میں اس کا شکرگذار

ہوں اور صرف شکر گذار ہی نہیں اس لئے کہ یہ تو ایک وقتی اور رسمی چیز ہوگئی ہے۔ میں آپ حضرات کے لئے خلوصِ قلب سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علمِ نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔

ذرّہ آفتاب تابانیم | میں کیا ہوں کچھ بھی تو نہیں۔ بس ایک نام ایک نسبت لگ گئی ہے، ان بزرگوں کے ساتھ جن کے طفیل میں ہم اور آپ آج یہاں موجود ہیں۔ غالب نے کہا ہے ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ہمارا تو جو کچھ بھی ہے۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہے۔ ہمیں تو روٹیاں بھی مل رہی ہیں انہیں بزرگوں کے طفیل میں سپاسنامے اور تعارف میں تو اکثر مبالغے ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور اس میں ایران توران کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ آپ لوگوں کی جانب سے جو سپاسنامہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی مجھے ہر طرح سے اچھا اور لائق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر کیا عجب ہے کہ جب اتنے لائق لوگ ایک نالائق کو لائق کہہ رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اتنے لائقوں کی لاج رکھ لیں اور یہی میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■

محنت کی عظمت کا نشان
افتخارِ پاکستان
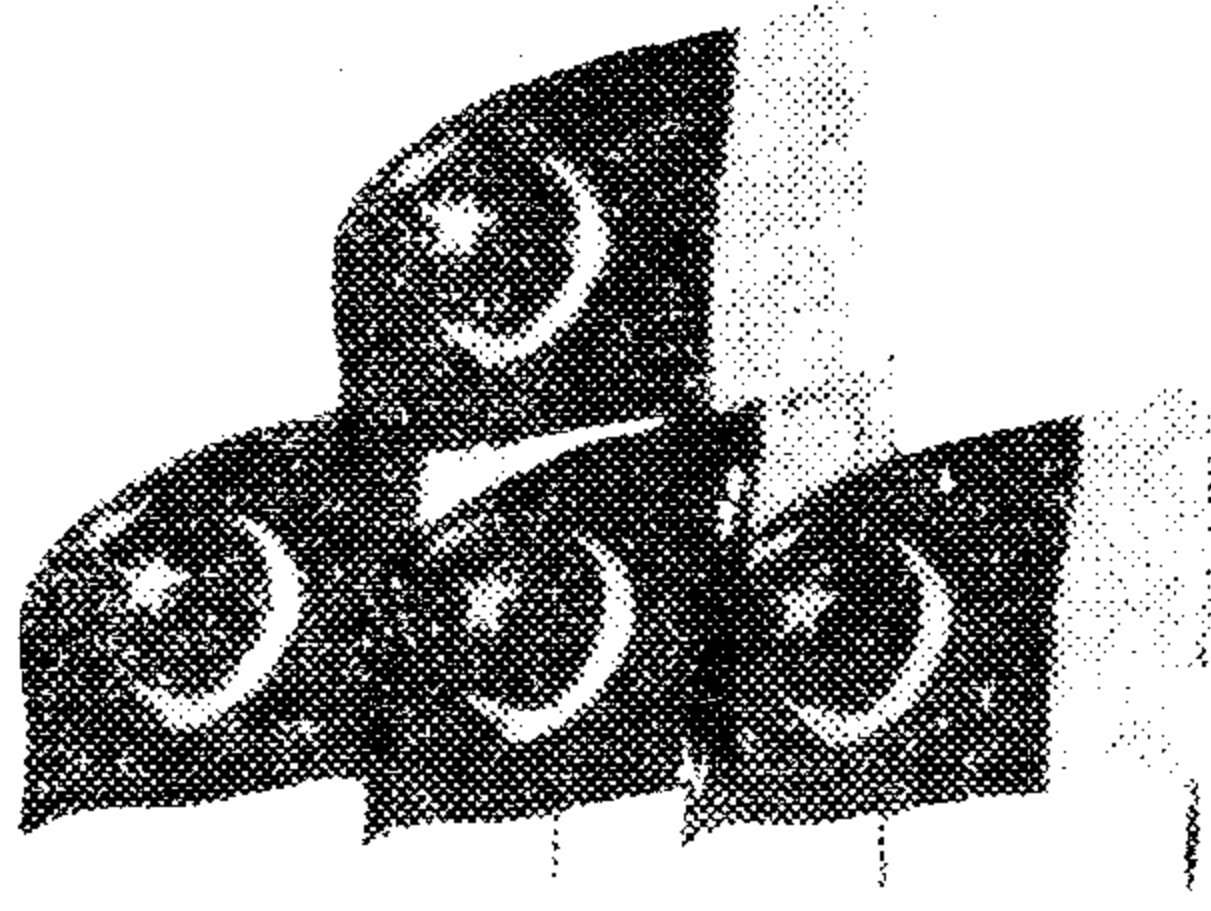
پاکستان کی اقتصادی خوشحالی کا انحصار ایسے اداروں پر ہے
جو خود کفیل بھی ہوں اور ٹیکس ادا کرنے والوں یا قومی خزانے پر بوجھ
نہ ہوں۔ اور اپنے مصارف اپنی آمدنی سے پورے کرتے ہوں۔
پی آئی اے یقیناً ایسا ہی ایک ادارہ ہے۔
بین الاقوامی سطح پر کامیابی کی بدولت آج ہم اس قابل ہیں
کہ اپنا منافع قومی ترقی کے لئے وقف کر دیں اور ہمارا دائرۂ پرواز
ملک کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل جائے۔ آج ہمارا
شمار اُن گنی چنی فضائی کمپنیوں میں ہوتا ہے جو اپنی اندرون
ملک پروازوں کے لئے بھی جمبو طیارے
استعمال کر رہی ہیں۔
علاوہ ازیں، ہم اپنے ہموطنوں کو ملازمت کے بہترین
مواقع بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ قومی زندگی کے مختلف
شعبوں، تجارت، سیاحت، ثقافت اور کھیل میں
اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔
نہ صرف یہ کہ ہماری کاوشیں ملک کے لئے نیک نامی
کا باعث ہیں بلکہ ہم کثیر زرِ مبادلہ کے حصول میں نمایاں کردار
ادا کر رہے ہیں۔ ہم نہ صرف دیگر فضائی کمپنیوں کو انتظامی، تربیتی
اور فنی سہولتیں مہیا کر رہے ہیں۔ بلکہ پی آئی اے کے بین الاقوامی
ہوٹلوں کے قیام کے لئے سرمایہ کاری بھی کرتے ہیں۔
بین الاقوامی منڈی میں ہماری ساکھ اس قدر مستحکم ہو چکی ہے
کہ ہم نے اپنے ہی وسائل سے بوئنگ ۷۴۷ جیسے دیو قامت
طیارے خریدے ہیں۔ غرض ہماری انتھک جدوجہد، پیشہ ورانہ
مہارت اور اعلیٰ کارکردگی پاکستان کا بول بالا کر رہی ہے۔
یہ کامیابیاں آپ کی نیک تمناؤں اور تعاون کے بغیر ممکن
نہ تھیں بالفاظ دیگر
پی آئی اے کی کامرانی، پاکستانی عوام کی کامرانی ہے۔

باکمال لوگ - لاجواب پرواز

مولانا اخوندزادہ عبدالقیوم حقانی
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قسط ۵

رائے وقیاس کی شرعی وآئینی حیثیت
اور
رئیس المجتہدین امام اعظم ابوحنیفہؒ

رائے وقیاس کے اثبات۔ اس کے دلیل شرعی وحجت ہونے پر اجمالاً کچھ دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔ خدا کرے کہ سمجھانے جاننے والے بھی یہ بات سمجھ سکیں اور جیسا کہ سمجھایا بھی یہی جارہا ہے۔ کہ رائے وقیاس کی" دستور اسلامی کے چوتھے ماخذ کی حیثیت، من جانب اللہ ہے۔ اس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ انہوں نے اسے باری تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اجتہاد و استنباط کے طور پر استعمال کیا اور اپنایا ہے۔ دلیل رابع ہی کی حیثیت سے بتایا ہے یا نہیں۔ آخر اپنانے میں جرم ہی کیا ہے۔ جب بنانے والے نے خود ہی یہ ارشاد فرمایا ہو کہ

۱۔ فاعتبروا یا اولی الابصار (حشر) اے عقل والو عبرت حاصل کرو۔

یہاں اعتبار بمعنی قیاس کے ہے عربی میں" اعتبار الشئ بشئ" اس وقت بولا جاتا ہے جب اس پر قیاس کیا جائے

۲۔ و تلك الامثال نضربها للناس لعلّهم یتفکرون (حشر)

اور ان مثالوں کو ہم ان لوگوں کے نفع کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

۳۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول الایۃ (سورۃ نساء)

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل امر ہیں ان کا کہنا بھی مانو۔) پھر اگر ان کے احکام میں سے کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو (کتاب) اللہ اور (سنت) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب لوٹاؤ۔

امام فخرالدین رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ کی تصریحات کے مطابق آیت مذکورہ میں " اولی الامر منکم " سے

حجیت اجماع اور " فان تنازعتم " الخ سے حجیت قیاس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر اس آیت کے ان دو اجزاء سے بھی وہی مراد لیں۔ جو پہلے دو اجزاء میں بیان ہو چکی ہے۔ تو مصرف بے فائدہ تکرار لازم آجائے گا۔ تو لا محالہ حجیت اجماع اور حجیت قیاس ہی مراد ہوگا (تفسیر کبیر و روح المعانی)

۴- فلا تقل لھما اف (الاسراء) اور والدین کو اف نہ کہو

اس آیت کی مراد یہ قیاس کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی کہ جب والدین کو اف تک کہنا حرام ہوا تو زد و کوب کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

حدیث معاذ بن جبلؓ | حجیت قیاس پر جناب شارع علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ سے اس قدر آثار مروی ہیں کہ معنوی لحاظ سے حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں ہم یہاں اولاً حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث بطور استدلال درج کرتے ہیں جو قولی حیثیت سے قیاس و رائے کے حجت اور دلیل شرعی ہونے پر نص قطعی ہے۔ اسی حدیث معاذ بن جبل ہی کے بارے میں علامہ ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں:-

و ھذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید کما ھو مقرر فی موضعہ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۳

یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور ثابت شدہ ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے حضرت معاذ سے دریافت فرمایا۔

بما تقضی یا معاذ اے معاذ تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔

حضرت معاذ نے جواباً عرض کیا

بکتاب اللہ۔ اللہ کی کتاب کے ساتھ

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

فان لم تجد فی کتاب اللہ اگر وہ مسئلہ تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ

تو حضرت معاذ نے عرض کی۔

بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔

آپؐ نے مزید ارشاد فرمایا۔

فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ مسئلہ تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ پاؤ۔

تب حضرت معاذ عرض کرتے ہیں۔

اجتھد برائی — اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا

یہ سن کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور زبان رسالت سے ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی رسولہ — خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے قاصد کو وہ توفیق عطا فرمائی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ شریف)

اور حضرت معاذ بن جبل ہی کے بارے میں لسانِ نبوت سے جو یہ الفاظ ادا ہوئے ہیں۔

اعلمھم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل — سب سے زیادہ حلال وحرام کو جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

علماء کے ایک طبقہ کے اس خیال کہ "یہ نبوی شہادت معاذ بن جبل کے قیاس ہی کی ایک عظیم سند ہے" کو باطل سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اجتہادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر کی تھی مگر وہ حج کرنے سے پہلے مر گئی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر اس پر قرضہ ہوتا تو کیا تو ادا کرتا؟

عرض کی۔ جی ہاں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

فاقض دین اللہ فھو احق بالقضاء — اللہ کا قرض ادا کرو — وہ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے

مشکوٰۃ شریف

حدیث کا مفہوم بغیر اس کے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ جناب شارع علیہ السلام حج کی ادائیگی کو دین پر قیاس فرمایا ہے۔

۲۔ ایک اعرابی جناب شارع علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میری بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کالا ہے۔ مجھے اس پر شک ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہارے ہاں اونٹ ہیں؟ عرض کی جی ہاں! آپ نے ارشاد فرمایا۔ کونسا رنگ؟ عرض کی سرخ۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا اس میں کچھ خاکی رنگ کے بھی ہیں؟ اعرابی نے مثبت جواب دیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ اعرابی بولا ممکن ہے کوئی رگ کھینچ کر آگئی ہو تب آپ نے ارشاد فرمایا یہی حال اس لڑکے کا ہے (رواہ ابوداؤد)

۳۔ طلق بن علی فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد اپنی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگائے تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

هل هو الا بضعة منك — نہیں ہے وہ مگر تیرے جسم کا ایک ٹکڑا

اس حدیث میں جناب شارع علیہ السلام نے عضو مخصوص کو دیگر اعضا پر قیاس فرمایا ہے۔

چونکہ نجاست کا علام خروج ہی ہر دو میں متحقق ہے اس لئے تو حضرت سعدؓ نے فرمایا۔

ان کان شیئ منك نجسًا فلیقطعه لا باس به — اگر وہ ایسی ناپاک شے ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں۔

ما ابالی مسست انفی او اذنی او ذکری — مجھے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں نے ناک۔ کان کو ہاتھ لگایا یا پیشاب گاہ کو۔ (اصول فقہ)

چونکہ خود رسالتمآب جناب شارع علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اس لئے تو حضرت سعدؓ اور حضرت علیؓ نے بھی قیاس ہی سے جواب دیا۔

اجتہادات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ باب تو اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لئے جدا ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ عقل والوں کے لئے تو اشارہ کافی ہے نہ سمجھنے والوں کے لئے دفتر بھی بے کار ہے۔ تاہم اس عنوان کے تحت بھی چند ثقہ اور معتبر روایات و نظائر درج کر دئے جاتے ہیں ع

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

۱۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو ہدایت نامہ ارسال فرمایا تھا اس میں مذکور ہے کہ

"وہ بات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو اور تمہارے دل میں کھٹکتی ہو اسے اچھی طرح سمجھو اور پھر اس کے متشابہ احکام و نظائر کو معلوم کرو اور ان پر اس کو قیاس کرو اور جونسی بات اللہ اور حق و صداقت کے زیادہ قریب ہو اسی کو اختیار کرو۔ (اسلامی دستور ص۱)

۲۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا۔ ایک آدمی کو اس کی سوتیلی ماں اور آشنا نے قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اگر کئی آدمی ذبح شدہ اونٹ کے چرانے میں اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک ایک ایک عضو چرا لے جائے تو کیا آپ ان سب کے ہاتھ کاٹیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا ایسے ہی یہ معاملہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھ بھیجا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ (اسلامی دستور از مفتی عزیز الرحمٰن ص۱)

۳۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص اپنے غلام کو پکڑ کر لایا اور کہا کہ اس نے میرا آئینہ چرا لیا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ غلام بھی تیرا ہے اور آئینہ بھی تیرا ہے۔ یہاں بھی حضرت عمرؓ نے اس قیاس سے کام لیا کہ غلام میں حق ملکیت موجود ہے۔ تو جہاں جہاں حق ملکیت پایا جائے گا چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو اس میں قطع ید نہ ہو گا۔ مثلاً لڑکا باپ کا مال چرا لے یا بیوی خاوند کا مال چرا لے۔

۴۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور قیاس درباره غیر معین مہر والی عورت کا خاوند جب ہمبستری سے قبل مر گیا تو آپ نے اپنے ہی رائے و قیاس سے اس کے لئے مہر مثل لازم قرار دے دیا جب کہ معقل بن سنان نے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تائید کی۔ اس مشہور روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قیاس کا حدیث رسولؐ کے مطابق واقع ہونا ثابت ہوا۔ (ملخصاً از اصول فقہ)

بہر حال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے و قیاس ثابت ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ابن دقیق العید کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرات صحابہؓ کا قیاس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

ایک ضروری گذارش | جہاں تک احقاق حق و اظہار حق کا فریضہ ہے جیسا کہ ہم گذشتہ اقساط میں عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے اس فرض منصبی کی ادائیگی میں جس قدر انتہا کر دی۔

اسلاف ہی سے منسوب اور ان ہی کے نام پر زندگی گذارنے والے ایک طبقہ نے اسلاف ہی کی تحقیق و تدقیق سے اسی قدر انکار و اعراض میں انتہا کر دی۔ اسلاف سے کمال تعلق۔ کمال وفا اور کمال اطاعت کی اس نوعیت کی بھی خوب داد دینی چاہئے۔ کہ جب اسلاف سے تعلق ہی رکھنا ہے تو پھر محبت سے عداوت ہی بھلی ہے

قطع نہ کیجئے ان سے تعلق اپنا — کچھ نہ سہی تو عداوت ہی بھلی

مگر ہم یہ گذارش بھی ضرور کریں گے کہ اب وقت ہے کہ دوستی و محبت اور کمال خلوص کے اس عنوان "عداوت ہی بھلی" کو ترک کر دو۔ کیونکہ آنے والی دلچسپ بحث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ سے ہم زیر بحث مسئلہ ضرور دریافت کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی مقدس روحیں آپ ہی سے دست بجگر بہاں ہو کر پکار اٹھیں ؎

کیوں دوستی کے پردے میں کرتے ہو دشمنی ؍ کیوں دامن ادب کی اڑاتے ہو دھجیاں

حجیت قیاس اور اجماع | رائے و قیاس کے "دستور اسلامی کے چوتھے ماخذ اور شرعی حجت" ہونے پر قرآن و حدیث اور اجماع، ایسے قطعی دلائل ہیں کہ جس کا انکار اور انکار پر اصرار ہی کرنے والوں کو آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا اس کا مراقبہ تو وہی کریں جو مبتلا ہیں۔ ہم یہاں قیاس کے شرعی حجت ہونے پر اجماع کا بیان کریں گے۔

شریعت میں اجماع دستور اسلامی کا تیسرا اہم اور قطعی ماخذ ہے اور قطعیات میں کبھی ایسا کہ جس کا انکار وبال ایمان سے خالی نہیں۔

امام الخلفاءؓ نے رائے و قیاس کا حکم دیا | حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کلالہ کے بارہ میں جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اقول فیھا برائی فان یکن صوابًا فمن اللہ و ان یکن خطاءً فمنی و من الشیطن	میں اس میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صواب ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اگر خطا ہو تو مجھ سے اور شیطان سے ہے۔

(نہایۃ السوال الامام جمال الدین ج ص ۲۲۸)

طبقات ابن سعد جلد۳ ص ۱۳۶ میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ارشاد یوں نقل کیا گیا ہے۔

فقال اجتھد برائی فان یکن صوابًا فمن اللہ و ان یکن خطأً فمنی و استغفر اللہ	ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی۔ ورنہ میری خطا ہوگی۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔
(مقام ابوحنیفہ ص ۱۷۷)	

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جب بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو اسے عہد لکھ دیا جس میں قیاس کرنے کا حکم تھا فرمایا:۔

اعرف الاشباہ و النظائر و قس الامور برایک	یعنی اشیاء کو اور ان کے نظائر کو پہچان اور امور کو اپنے رائے سے قیاس کر۔

(نہایۃ السوال للامام جمال الدین بحوالہ اقوال صحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ ص ۱۴۱ ۳)

کائنات میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری عظیم ہستی ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں جن کی افضلیت بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملت اسلامیہ کے تمام مسلمانوں کا مسلم عقیدہ ہے جو خلافت راشدہ کے نقش اول اور امام الخلفاء ہیں جب حضورؐ ہی کے سچے جانشین اور صحیح نائب قیاس و رائے کا حکم دے رہے ہیں۔ اور جس کو حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی حضورؐ ہی کے تربیت یافتہ اور آپؐ ہی کی تعلیم گاہ کے سند یافتہ ہیں وہ بھی بلا چون وچرا تسلیم کر رہے ہیں۔ جب کہ درس گاہ نبویؐ کے ہزاروں فضلاء (صحابہ کرامؓ) موجود ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حکم صدیق (رائے و قیاس) کو علم نبوت کی روشنی میں خلاف شریعت قرار دے۔

تو جن کے ہاں "اہل رائے" ہونا باعث نفرین ہے، سمجھنے والے تو سمجھ ہی گئے کہ یہ زد کہاں پڑی

مگر ایسا ذہن رکھنے والے اپنے اندر کے زندہ انسان (ضمیر) سے بھی دریافت کرلیں کہ ایسا ہی عقیدہ رکھا جائے تو پھر امام الخلفاء حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام کیا ہوگا؟

خلیفۂ ثانی عمر فاروقؓ قیاس ہی کو اختیار فرماتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے نقش ثانی محمدی تعلیم گاہ کے سند یافتہ علوم نبوت کے عظیم فاضل وماہر اسلام کے عظیم فاتح حضرت عمر فاروقؓ جب لوگوں کو فتوای دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ

هذا رای عمر فان كان صواباً فمن الله و ان كان خطأً فمن عمر۔

یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا اگر خطا ہوئی تو عمر کی خطا سمجھنا

(سنن کبریٰ جلد ۱ ص ۱۱۶ - میزان شعرانی جلد ۱ ص ۴۹)

حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا۔

انی قد رایت فی الجد رأیاً فان رایتم تتبعوه فاتبعوه۔

میں نے جد کے بارہ میں رائے دی ہے پس اگر تم اس رائے کا اتباع پسند کرتے ہو تو اس کا اتباع کرو۔

قال الحاکم والذہبی صحیح مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۴۰

جب کہ جد کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنی رائے دے چکے تھے۔ جیسے حضرت عمر فاروقؓ کا اجتہاد و استنباط، رائے و قیاس سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی رائے و قیاس ہی سے اجتہاد کیا تھا۔ ہر دو حضرات کا قیاس قرآن و حدیث اور قطعی نصوص سے ہرگز متصادم نہ تھا۔ (بلکہ یہ تصور بھی گناہ عظیم ہے) اور یہ کہنا کتنا ہی بجا ہے کہ شیخینؓ کے اس قیاس کا مبنیٰ و منشا ہی قرآن و حدیث تھے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ نے قیاس کی تصویب فرمائی۔ یہی وجہ تھی کہ خلافت راشدہ نقش ثالث، داماد نبیؐ ہم زلف علی۔ محمدی یونیورسٹی کے عظیم سکالر حضرت عثمانؓ۔ دونوں حضرات (شیخینؓ) کی تائید اور تصویب فرماتے ہوئے اپنی خداداد عقل و فہم اور فیاض ازل کی طرف سے عنایت فرمودہ قوت قیاس کو استعمال میں لاتے ہوئے حضرت فاروق اعظمؓ کے جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

ان نتبع رایك فانه رشد و ان نتبع رای الشیخ قبلك فنعم الرای (سنن دارمی ص ۲۰)

اگر ہم آپ کی رائے کا اتباع کریں تو یہ صواب (درست) ہے اگر ہم تجھ سے پہلے شیخ (صدیق اکبر) کی رائے کا اتباع کریں پس وہ اچھی رائے ہے۔

اگر رائے و قیاس شرعاً مذموم یا قابل نفرین ہوتے اور ان سے مسائل کا اجتہاد و استنباط بھی شرعاً ناجائز ہوتا۔ تو یہ ناممکن ہی تھا۔ کہ حضرت ذوالنورینؓ اس پر چپ رہتے۔ جب حضرت عثمان جیسے ذمہ دار، اور فقیہہ و

قانونِ اسلامی کے عظیم فاضل و ماہر، حضرت عمر فاروقؓ کی موجودگی میں بھی ابوبکرؓ و عمرؓ کے اجتہاد و استنباط میں اولویت و غیر اولویت کا فیصلہ صادر فرماتے ہوں۔ پھر فیصلہ بھی اس کا راجح قرار دیتے ہیں۔ جو موجود نہیں ہے۔ آخر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ انہی کے سامنے جب ایک غلط اور خلاف شرع (قرآن وحدیث کی موجودگی میں خلافت راشدہ ہی کے دور میں رائے و قیاس پر عمل) کام ہو رہا ہو۔ بجائے روکنے، ٹوکنے اور منع کرنے کے وہ خود بھی اس میں شریک ہوگیا۔ اور پھر شرکت بھی اس قدر بڑھ چڑھ کر کہ شیخین ہی کے دو قیاسوں کی موجودگی میں اپنے قیاس اور اپنی ہی رائے سے ایک کو افضل قرار دے دیا۔

<u>خلیفہ رابع علی مرتضیٰؓ نے بھی قیاس پر عمل کیا</u> | اگر اسلاف ہی کی بات ماننی اور ان ہی کے علوم و معارف سے استفادہ کرنا بھی ضروری ہے جیسے کہ بعض حضرات اس لئے اپنے نام کے ساتھ "سلفی" لکھنے کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ تو صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین سے بڑھ کر ہمارے اسلاف میں کون ہے جو قرآن و حدیث اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار پر پورے اتریں۔ جب خلافت راشدہ کے نقش رابع۔ سرورِ کائناتؐ کے تربیت یافتہ۔ علم نبوت کے سند یافتہ۔ لسانِ نبوت نے جسے "باب العلم" کہا ہو۔ یعنی حضورؐ ہی کے خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی جب قیاس پر عمل فرمایا ہو۔ اور رائے و قیاس سے اجتہاد و استنباط کو ضروری سمجھتے ہوئے یہاں تک فرمادیا ہو کہ

اجتمع رائی و رائی عمر علی المنع من بیع امھات الاولاد ولان قد رایت ان یبعن	میری اور حضرت عمرؓ کی رائے اس امر پر متفق ہوئی کہ امہات الاولاد کی بیع نہیں ہوسکتی مگر اب میری رائے یہ ہے کہ وہ بیع ہوسکتی ہے۔

(منہاج السنۃ لابن تیمیہ جز ثالث ص ۱۵۶)

تو پھر کون ہے ایسا مفتی جو اس کے باوجود بھی مطلق رائے و قیاس کو مذموم اور اس کے خلاف شرع ہونے کا فتویٰ جاری کرے۔ آخر وہ فتویٰ ہی کیا فتویٰ ہے جو خلافت راشدہ کے متفقہ عمل کو ٹھکرا دے۔

<u>الٹی گنگا</u> | امام اعظم ابوحنیفہؒ کو صرف اس وجہ سے قصوروار ٹھہرانا کہ وہ "اہل الرائے" تھے کس قدر زیادتی اور ظلم ہے۔ کہ جو عمل خلافت راشدہ کا متفقہ عمل ہو پھر وہی عمل بعینہٖ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہو۔ اگر ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو وہ تارک سنت اور منکر حدیث۔ مگر جو لوگ اس عمل ہی کے منکر اور طریقہ مسنونہ (رائے و قیاس) جس کو ہم نے گذشتہ معروضات میں قرآن و سنت اور اجماع کا متفقہ فیصلہ قرار دیا ہے، ہی کے تارک ہوں وہی عامل بالحدیث اور وہی محبانِ حدیث؟ تعجب تب ہوتا جب ایسی بات اب ہوتی۔ یہ "الٹی گنگا" تو پہلے دن سے چلی آئی ہے۔ اور چلتی رہے گی۔ مگر الٹی کو سیدھا بھی وہی کہتے ہیں جو آنکھیں

چند بھیا کے دیکھتے ہیں۔

اقرار ہے یا انکار؟ | غیر منصوص مسائل ، نوازلات وحادثات میں صحابہ کرامؓ رائے وقیاس اور اجتہاد و استنباط سے کیسے اور کتنا کام لیتے تھے۔ اور اس کو کس حد تک ضروری سمجھتے تھے کسی حد تک اس کا اجمالی نقشہ گذشتہ معروضات سے مترشح ہو ہی جاتا ہے۔ اور آئندہ بھی اس سلسلہ میں مزید ایک اجمالی اور عنوانی خاکہ بھی دیا جائے گا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ مگر یہاں مقصود صحابہ کرام کے اجتہادات واستنباطات اور جملہ دلائل وبراہین کا استیعاب ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ اگر امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ رائے محمود اور قیاس شرعی پر عمل کرنے کی وجہ سے "امام اہل الرائے" کہدئے تو یہ ان کے لئے مورد الزام نہیں۔ بلکہ باعث ہزار افتخار اور آخرت میں ترقی مدارج کا بہترین اور یقینی وسیلہ ہے جو مسئلہ (قیاس ورائے کا شرعی حجت ہونا) وحی الہی، مرفوع اور صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ کے تعامل۔ اقوام اور جمہور امت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو۔ ایسی قطعی حقیقت اور ایسے منصوص مسئلہ مذمت ، اہل الرائے کی توہین وتذلیل نیز صحابہ کرام کے ارشادات ، اقوال تعامل اور جمہور امت کے تواتر وتوارث کا انکار۔ بظاہر اجماع کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمیں اصرار بھی نہیں کہ ایسوں کے بارے میں ارباب علم اجماع ہی کے انکار کا فتویٰ بھی دے دیں۔ تاہم اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ ایسا کرنا (قیاس ورائے کا انکار) اگر " اجماع کا انکار " نہیں تو پھر ایسوں کے ہاں " اجماع کا اقرار " بھی نہیں۔

تعامل صحابہؓ کا اجمالی خاکہ | حضرت ابن عباسؓ نے بھائیوں کے محجوب ہونے میں " جد " کو ابن الابن پر قیاس کیا اور فرمایا۔

الا یتقی اللہ زید بن ثابت یجعل ابن الابن ابنا ولا یجعل اب الاب ابا۔	کیا زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ ابن الابن کو بمنزلہ ابن قرار دیتا ہے اور اب الاب کو بمنزلہ اب قرار نہیں دیتا۔

(الاقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ ص ۳۴۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

فلیجتھد رایہ فان لم یحن فلیقو ولا تستحیی مستدرک ج ۴ ص ۹۴	پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک نہ ہو تو صاف اقرار کرے اس میں حیا نہ کرے۔

باقی ص ۵۵ پر

Adarts HSU 1/80
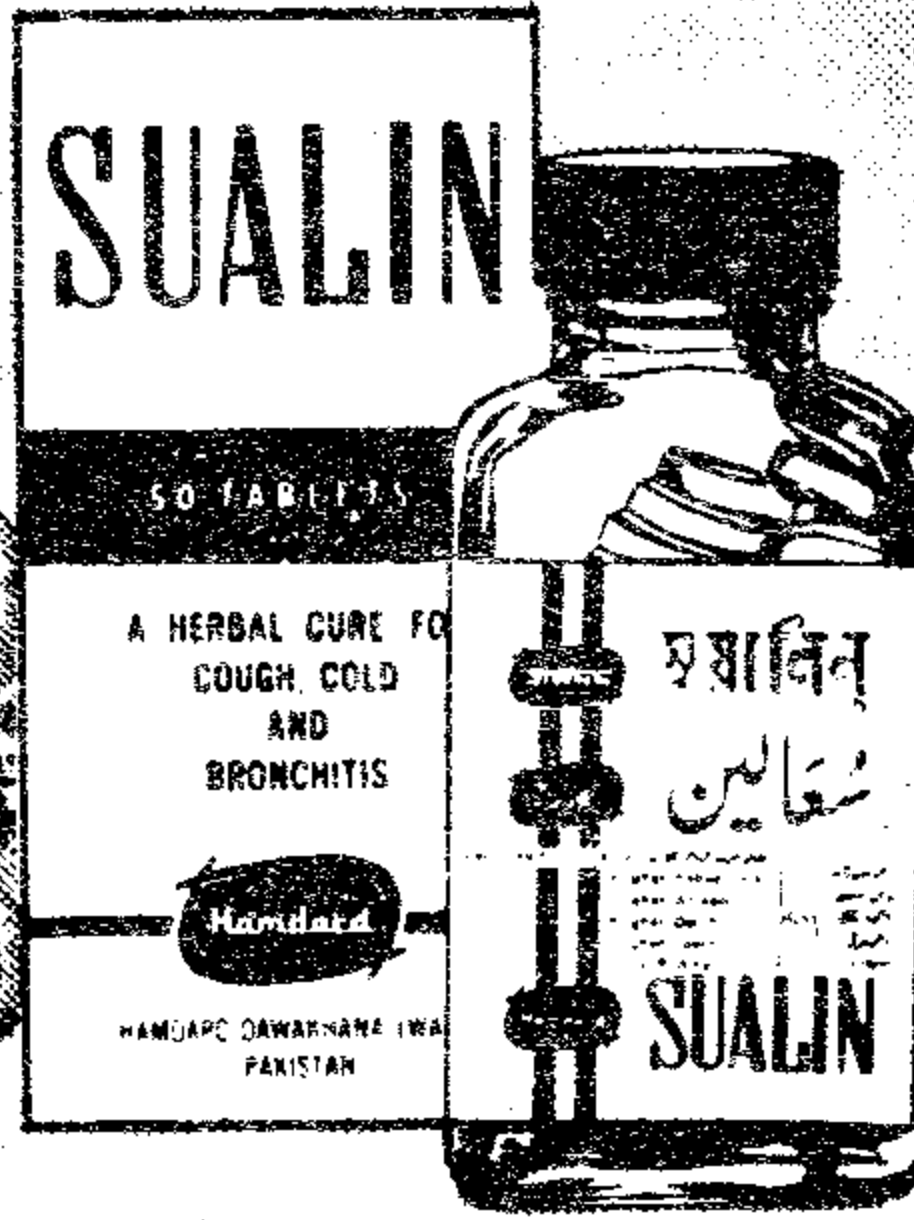
(قسط ۲)

ڈاکٹر محمد حنیف۔ پروفیسر شعبہ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور

حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۱۱۰۸ھ بمطابق ۱۶۹۶ء

آپ مادر زاد[1] اویسی[2] ولی اللہ تھے مگر چونکہ راہ سلوک کی جادہ پیمائی میں کسی راہبر کامل کی ضرورت ہے اس

---

[1] مادرزاد ولی کا ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آتیناہ الحکم صبیا۔ یعنی ہم نے ان کو لڑکپن میں ان کو دین کی سمجھ عطا کی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اس قول کی اصل ہے جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ کہ فلاں شخص مادرزاد ولی ہے۔ (بیان القرآن سورہ مریم آیت ۱۲)

[2] یہ طریقہ حضرت اویس کی جانب منسوب ہے اور جیسا کہ سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض حاصل کیا تھا۔ اس طرح اویسی طریقہ والے بزرگان دین بھی بعض انبیاء کرام اور شیوخ طریقت کی روحانیت سے روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ (ہمعات از شاہ ولی اللہ دہلوی۔ اشاعت اول ۱۸۶۴ء حیدر آباد صفحہ ۱۱۔ ص ۵۶۔ ۶۴۔ المنہل الروی الرائق فی اسانید العلوم و اصول الطرائق از محمد بن علی السنوسی ص ۵۴) طریقہ اویسیہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں کہ

"قومے از اولیاء اللہ باشند کہ ایشاں را مشائخ طریقت و کبرائے حقیقت اویسیان نامند و ایشاں را در ظاہر احتیاج بہ پیرے نہ بود زیرا کہ ایشاں را حضرت رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم یا روح ولی از اولیا حق در حجر عنایت خود پرورش می دہد بیواسطہ غیرے چنانکہ اویس قرنی را داد رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ۔ اولیاء اللہ میں سے ایک گروہ ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت اور کبرائے حقیقت ان کو اویسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ظاہر میں ان کو کسی پیر کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اس لئے کہ ان کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیائے حق میں سے کسی ولی کی روح اپنے آغوش عنایت میں پرورش دیتی ہے بغیر کسی واسطہ کے جیسا کہ اویس قرنی کو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے پرورش دی۔ الفتح العینی از مولانا شیر محمد گگیانوی پشاوری (قلمی) ص ۲۵۹۔ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمان جامی ۱۶

لئے آپ حضرت سید آدم بنوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ آپ خود فرمایا کرتے کہ

" فقیر ولی مادرزادم اما دریں راہ از پیر ناگزیر است۔ لہذا بردست پیر کامل بیعت کردم کہ جامع مقامات حضرت بزرگ خود است "

ترجمہ۔ فقیر مادر زاد ولی ہے۔ مگر اس راہ میں پیر کا ہونا ضروری ہے میں نے پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ پیر کامل حضرت بزرگ خود (سید آدم بنوری) ہیں۔

آپ کو سید آدم بنوری کے خلفا میں نہایت ارفع اور ممتاز مقام حاصل تھا

حضرت سعدی لاہوری کا شمار سید آدم بنوریؒ کے جلیل القدر خلفا میں ہوتا ہے۔ اور آپ کے مریدین میں ان کو نمایاں حیثیت حاصل تھی حضرت مولانا سید محمد قطبؒ[1] فرماتے ہیں۔ کہ میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفا و اصحاب کی نسبت[2] مجھ پر عیاں ہو جائے۔ لہذا اپنے پیر و مرشد حضرت سعدی کی خدمت میں درخواست کی اور خدا و رسولؐ کا واسطہ دے کر بے حد منت سماجت کی جس کے بعد آپ نے رضامندی کا اظہار کر کے وہ میری طرف متوجہ ہوئے حضرت میاں صاحب جیکی ان کی زبانی یہ واقع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

التفات خاطر شریف بہ من گماشتند و نسبت جمیع اصحاب و خلفا حضرت بزرگ خود بہ من نمودند۔ و ظاہر ساختند۔ نسبت حضرت ایشاں را مثل اصحاب و خلفا حضرت بزرگ خود در جنب نسبت آنحضرت چوں ستارہ گان من درخشندہ و من تابندہ[3]

ترجمہ (آپ) میری طرف متوجہ ہوئے اور حضرت خود (سید آدم بنوری) کے تمام اصحاب و خلفا کی نسبت مجھ پر ظاہر کر دی میں نے دیکھا کہ حضرت الیشان (سعدیؒ) کی نسبت چودھویں چاند کے مانند روشن ہے اور سید آدم بنوریؒ

---

[1] حضرت مولانا سید محمد قطبؒ۔ حضرت سید آدم بنوری کے بڑے صاحب زادے سید خواجہ محمد کے فرزند بہرہ مند اور حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کے منظور نظر مرید و رفیق تھے۔ ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء میں بنور کے مقام پر پیدا ہوئے ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں مغل خیل (ضلع پشاور) میں وفات پائی۔ اور بنور میں مدفون ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں ظواہر السرائر (لاہور) ۵۲۹۔۵۵۱

[2] اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مواظبت سے اس میں رسوخ پیدا ہو جاتا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس کو نسبت (کیفیت باطنی) کہتے ہیں (التکشف عن مہمات التصوف از مولانا اشرف علی تھانویؒ طبع لاہور ۱۹۶۰ء ص ۴۹۱

[3] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۳۹

کے دوسرے اصحاب کی نسبتیں آپ کے گرد ستاروں کی طرح روشن تھے اور چمکتے تھے۔

اوست خورشید عزت و خوبی   برگزیدش خدا بہ محبوبی[1]

حضرت سید آدم بنوری آپ کے ساتھ بہت پیار و محبت سے پیش آتے اور آپ کے ساتھ قرب و تعلق کا یہ حال تھا کہ اپنے اہل حرم کو بھی آپ سے پردہ نہ کرنے کی ہدایات کرتے اور فرماتے کہ

"سعدی فرزند معنوی من است چنانچہ از فرزندان صلبی من شمارا حجاب نیست ہم چنیں ازیں فرزند ہم نہ شاید"[2]

ترجمہ۔ سعدی میرا فرزند معنوی ہے جیسا کہ تم کو میں صلبی بیٹوں سے پردہ نہیں ہے۔ اس طرح اس بیٹے سے بھی پردہ نہیں چاہئے۔

سفر حجاز | آپ پہلی بار ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء میں اور دوسری بار ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۰۵۲ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید آدم بنوری اپنے ہزاروں مریدین و متبعین کی معیت میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے معاندین نے بادشاہ وقت شاہجہان کو خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ہمراہ اتنے زیادہ لوگ ہیں کہ وہ کسی وقت بھی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے وزیر سعد اللہ خان کو تحقیق حال کی خاطر ان کے پاس بھیجا۔

حضرت سید آدم بنوری اس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے۔ کافی دیر تک تو ہم کلام نہ ہوتے اور جب کلام کیا تو وہ بھی حب دنیا کے ترک کرنے کی نصیحت فرمائی۔ نواب سعد اللہ خان آپ کے اس طرز عمل سے رنجیدہ خاطر ہوئے لہذا بادشاہ کے پاس جا کر اس خبر کی تصدیق کر دی۔ اور مشورہ دیا کہ سید آدم بنوری کو کسی بہانے یہاں سے رخصت کیا جائے۔ چنانچہ شاہجہان نے سرزمین ہند سے آپ کے اخراج کا حکم صادر کر دیا۔

جب ولی عہد داراشکوہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت خفا ہوا اور بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"با چنیں بزرگان چناں سلوک بادشاہاں را نقصان کلی دارد و سعادت ما و شما بود کہ در ملک ہند ہمچو نادر الوجود آمد و شما بگفتہ حاسدان ایشاں را از ملک خود اخراج فرمودید نمی دانید کہ علماء ظواہر ہمیشہ با بزرگان دین معاند و حاسد بودہ اند و حتی المقدور در آزار و تصدیع اہل اللہ کوشیدہ اند"[3]

ترجمہ: ایسے بزرگوں کے ساتھ بادشاہوں کا اس قسم کا سلوک سراسر موجب نقصان ہے۔ میری اور تمہاری نیک بختی تھی کہ سرزمین ہند میں ایسی نادر الوجود ہستی آئی ہے اور آپ نے حاسدوں کے کہنے پر ان کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ علماء سوء ہمیشہ سے بزرگان دین کے مخالف اور حتی المقدور اہل اللہ کے درپئے آزار

---

[1] حضرت میاں محمد عمر چمکنی کا ایک شعر حضرت سعدی کی شان میں [2] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۲۴۱ [3] ظواہر السرائر (کوہاٹ) ص ۱۹۶-۱۹۷

رہے ہیں۔

اپنے فرزند ارجمند کا بیان سن کر بادشاہ کا سر ندامت سے جھک گیا اور فوراً اپنے ایک امیر میر منصور بدخشی کو خلعت شاہانہ دے کر سید آدم بنوری کی خدمت میں بنور بھیجدیا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے آپ حج کی نیت سے وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ شیخ سعدی کو اس سفر میں حضرت آدم بنوری کی رفاقت نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس موقع پر آپ کے والد آپ کی ملاقات کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ سعدی بھی سید آدم بنوری کے ہمراہ سفر حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان سے چند دنوں کی اجازت چاہی تاکہ اس فرصت میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ ملاقات کر سکے۔

حضرت سید آدم بنوری نے آپ کو خلافت عطا فرمائی!

۱۰۵۲ھ میں حضرت آدم بنوری نے یہ درخواست منظور کی اور سعدی کو رخصت ہونے سے پہلے مجاز و ماموں کر کے کلاہِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت سعدی والدہ سے ملاقات کے بعد واپس لاہور آئے۔ تو معلوم ہوا کہ میر منصور بدخشی بادشاہ کے حکم سے بنور جا رہا ہے۔ آپ ان کے ہمراہ بنور روانہ ہوئے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے سید آدم بنوری وہاں سے حجاز کی جانب چل پڑے تھے۔ آپ میر منصور بدخشی اور چند دیگر رفقا کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہو کر مکہ پہنچ گئے چونکہ ایام حج گذر چکے تھے اس لئے اس سال حج کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

حضرت سید آدم بنوری نے حج کے بعد مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ فرمایا۔ مگر شدت گرمی کی بنا پر خود کچھ وقت تک اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور حضرت سعدی کو اپنا نائب مقرر کر کے احباب و رفقاء کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت فرمایا۔[1]

گرمی کا موسم ختم ہوا تو حضرت سید آدم بنوری مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بیمار پڑ گئے اور ۲۳ شوال جمعہ کی صبح کو ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء میں مدینہ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔[2]

حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوری کی زندگی کے آخری لمحات تھے۔ اس وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور تنہائی میں بے حد نوازشات کر کے اپنے سینہ بے کینہ کے کمالات لانہایات سے مشرف کیا۔ اور

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صد ۲۰۲، ۲۰۳ [2] ظواہر السرائر (لاہور) صد ۱۷۹، ۱۸۰۔ جناب اعجاز الحق قدوسی نے اپنی کتاب "تذکرہ صوفیائے پنجاب" میں شیخ سعدی کے حالات کے ذیل میں سید آدم بنوری کی تاریخ وفات ۲۳ شوال کی جگہ ۲ شوال لکھا ہے جس کی دوسرے ذریعہ سے تائید نہ ہو سکی۔ حضرت میاں صاحب چمکنی نے تاریخ وفات ۲۳ شوال بتائی ہے۔ اس لئے ... واقعہ ہونے ... سبب حضرت میاں صاحب کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اسم اعظم عطا فرمایا۔[1]

مولانا یار محمد لاہوریؒ کی صاحبزادی کے ساتھ نکاح

سید آدم بنوری کی وفات کے بعد شیخ سعدی وطن کی جانب روانہ ہوئے راستے میں شمس الدین خان قصوری کے التماس پر قصور میں چند دن قیام فرمایا۔ قصور سے رخصت ہو کر لاہور آئے اور چند دنوں کے بعد شمس الدین خان قصوری، شیخ بایزید اور بعض دیگر مخلص رفقار کی تحریک پر مولانا یار محمد لاہوری کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔[2]

لاہور میں پورے ۵۵ سال تک مخلوق خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ بے شمار طالبان حق آپ کے چشمہ فیض سے فیضیاب ہوئے اور بالآخر ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں بدھ کے دن ۳ ربیع الثانی کو علوم دینی کا یہ آفتاب، درخشندہ غروب ہو گیا۔[3]

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صد ۲۱۱، ۲۱۲ [2] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صد ۲۱۲، ۲۱۳ — مولوی نور احمد چشتی۔ شیخ سعدی کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب سید آدم بنوری بیت اللہ شریف کے سفر پر روانہ ہوتے تو اس وقت شیخ سعدی کو مخلق خدا کے ارشاد و ہدایت کی خاطر لاہور چھوڑ گئے تھے۔ محمد دین کلیم نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ (لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم ص ۱۳۲) مگر راقم الحروف کو اس کے ساتھ اتفاق نہیں ہے۔ در اصل بات یہ ہے کہ حضرت آدم بنوری نے اس موقعہ پر اگرچہ سعدی کو خلافت سے نوازا تھا اور شیخ سعدی کے والد کی درخواست پر والدہ سے ملاقات کے لئے چند دنوں کی اجازت دے دی تھی لیکن ملاقات کے فوراً بعد وہ سید آدم بنوری کی رفاقت اختیار کرنے کے لئے بعد میں مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مکہ میں ان سے ملے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیا۔ اور ان کی وفات تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ شیخ سعدی خود فرماتے ہیں کہ

در وقت احتضار حضرت بزرگ خود من حاضر بودم۔ در وقت انقطاع نفس مبارک اشک از دیدہ حق بین جاری بود و چوں نفس مبارک منقطع شد ہمچناں قطرات اشک از چشمان می رفت تا بوقتیکہ ایشاں را غسل دادند قطرات اشک منقطع شدند۔ ظواہر السرائر (کوہاٹ) صد ۱۹۶، ۱۹۷۔

ترجمہ۔ میں حضرت بزرگ خود (سید آدم بنوری) کے نزع کے وقت حاضر تھا۔ انقطاع نفس کے وقت آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ روح منقطع ہو جانے کے بعد بھی آنسو کے قطرات جاری رہے تا وقتیکہ ان کو غسل دیا گیا اس کے بعد آنسو رک گئے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سید آدم بنوری کی وفات کے بعد لاہور تشریف لائے۔

[3] ظواہر السرائر (لاہور) صد ۲۷۲

ایں باغ بے خزاں نہ بود رخت بست و رفت　　　دیدی کہ طرہ در چمن خوشیاں شکست

از بسکہ بود منتظرش حق بمحض لطف　　　او ہم ز شوق پردہ حد از میان شکست[1]

حضرت سعدی اور عشق رسولؐ | حضرت سعدیؒ سچے عاشق رسولؐ تھے اور آپ کے دل میں ہر وقت روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں ایام زندگی گزارنے اور مقامات مقدسہ میں موت نصیب ہونے کی تمنا رہتی تھی جو بالآخر پوری ہوئی۔[2]

شاہ عشاق حضرت سعدی　　　نام او عشق را بود افسر

چوں نویسند نامہ عشاق　　　می نویسند نام او بر سر[3]

فقر و تسجرد کا حال | آپ ایک درویش منش بزرگ تھے۔ ابتدا سے حال کے زمانے میں تقریباً ۲۵ برس تک نہایت فقر و فاقہ کی زندگی گذاری۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات کھانے کے لئے کچھ میسر نہ آتا تھا۔ یہ حال بیان کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں کہ جب بھوک کا غلبہ ہو جاتا تو میں دریا کی جانب نکل جاتا اور ریت کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا۔ جس سے بدن میں کچھ قوت پیدا ہو جاتی۔[3]

شادی | ۱۰۵۳ھ کے بعد بھی کچھ مدت تک یہی حالت رہی یہاں تک کہ دس دس روز تک کھانے کے لئے کچھ نہ ملتا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد میرے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر گھر میں ایک پیسہ بھی نہ تھا جس سے بچی اور اس کی ماں کے لئے کھانے پینے یا دوا کا بندوبست ہو سکے۔ چنانچہ بھوک کی شدت کے باعث بچی کی ماں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا۔ بچی اکثر روتی رہتی اور اس کا جسم نہایت کمزور ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر اس کی جدہ ماجدہ کو اس پر رحم آیا۔ گود میں اٹھا کر میرے پاس لے آئیں اور مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ اس بچی پر رحم کرو۔ میں نے جواب میں کہا کہ حق تعالیٰ اس بچی پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

خدا کا احسان تھا کہ رفیقۂ حیات بھی موافق حال ملی تھی۔

فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے بیوی سے کہا کہ اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤ۔ وہاں سامان زندگی موجود ہے چند دن آرام ملے گا۔ بیوی نے جواب میں کہا۔

"مردن و زیستن بہ اختیار حضرت حی لایموت است جل شانہٗ"

اس کے چند یوم بعد وہ بچی خدا کو پیاری ہو گئی۔[4]

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صہ ۲۲۸ سعدی لاہوری کی شان میں میاں صاحب چمکنی کے اشعار [2] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صہ ۲۶۱ [3] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صہ ۲۲۹ [4] ایضاً صہ ۲۲۶ تا ۲۲۳

بعد میں اگرچہ آپ کو ہر قسم کا سامان عیش حاصل رہا۔ مگر آپ ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی سے گریزاں رہے یہاں تک کہ سفر و حضر دونوں میں نرم بستر کے استعمال کرنے سے اجتناب کرتے رہے۔

حضرت میاں صاحب چمکنی فرماتے ہیں کہ ۱۱۰۶ھ مطابق ۱۶۹۴ء میں جب حضرت سعدی دوبارہ پشاور تشریف لاتے تو اس وقت بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے نہایت ضعیف و نحیف ہو چکے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی صرف ایک کھردری اور موٹی اونی قبا رات کے وقت بطور بچھونا استعمال کرتے[1]

آپ فخر و مباہات اور نام و نمود کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ لہٰذا اپنے احباب و اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے یہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔

"اگر ما را بعد از ما یاد کنید نہ گوئید کہ قطب بود یا غوث بود یا امام و خلیفہ بود۔ گوئید فقیر بودہ و بندہ بودہ از بندگان خدا تعالیٰ کہ خدا را یاد می کرد۔ و اگر چیزی بریں زیادہ کنید گوئید کہ بندہ بود از بندگان خدا تعالیٰ کہ خدا را یاد می کرد و ہر کہ برائے طلب حق پیش وی آمد او را بہ خدائے تعالیٰ آشنا می کرد۔[2]

ترجمہ۔ اگر مجھ کو میرے مرنے کے بعد تم یاد کرو تو نہ کہا کرو کہ قطب تھا یا غوث تھا یا امام و خلیفہ تھا۔ کہنا کہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جو خدا کو یاد کیا کرتا تھا۔ اور اگر تم اس پر کوئی اضافہ کرو تو کہنا کہ ایک بندہ تھا خدا کے بندوں میں جو خدا کو یاد کیا کرتا تھا۔ اور جو کوئی طلب حق کی خاطر اس کے پاس آتا اسے خدا سے آشنا کرتا تھا۔

اس شان فقیری کے باوجود نہایت بارعب اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی مجالس ارشاد میں ہر وقت سنجیدگی اور وقار کا سماں رہتا۔ اور آپ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی۔

حضرت میاں صاحب چمکنی ان کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

در صحبت با بہجت آں حضرت جمیع اکابر علماء و مشائخ و اعالی و ادانی شہر پشاور و سوا ان حاضر بودند و خیلے صحبت گرم بود و با ہیبت و ارادت و بہ تمکین و وقار براستہ و کسے را دراں محل مجال دم زدن و سخن گفتن نہ بود من نیز بہ ہماں شیفتگی در مجلس شریف حاضر شدم دیدم کہ آں حضرت درمیان حقائق و معارف چوں ابر گرانی یہ مبیسانی می جوشند و نکات عجیبہ ولالی رموزات غریبہ در صدف گوش مستمعان می رسند۔[3]

ترجمہ۔ آپ کی مسرت بخش صحبت میں شہر پشاور کے تمام اکابر علماء و مشائخ اور اعلیٰ و ادنیٰ سب موجود تھے اور مجلس خوب گرم تھی۔ آپ ہیبت و ارادت اور وقار و تمکنت سے آراستہ تھے اور کسی میں دم مارنے یا کلام کرنے کی جرأت نہ تھی۔ میں بھی اس شیفتگی کے ساتھ مجلس میں آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا گراں مایہ ابر بہاری

---

[1] ظواہر السرائر، دکوہاٹ ص ۲۲۰ [2] ایضاً ص ۲۶۲ [3] ایضاً ص ۶۰۶-۶۰۷

جوش مار رہا ہے اور عجیب و غریب نکات اور اسرار و رموز کے موتی سامعین کے کانوں کے صدف تک پہنچا رہے ہیں
خودداری اور شان استغنا | آپ بے انتہا مستغنی المزاج اور خوددار شخصیت کے مالک تھے اور دنیا دار قسم کے سلاطین و حکام کے میل جول اور اختلاط سے حتی الوسع احتراز فرماتے۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد معظم جب اپنے باپ اورنگ زیب عالمگیر کی قید سے رہا ہوا تو دکن سے لاہور آیا۔ اور حضرت سعدی کی خدمت میں اپنا آدمی بھیجکر ملاقات کی درخواست کی۔ آپ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ

"دیدن فقرا محض برائے خدمت متضمن منافع دینی و دنیوی است۔ اگر چنیں بہ خاطر است باک نہ دارد و اگر غرض آلود باشد واستدعا سلطنت و دیگر مطالب دنیوی درمیان آرد آمدن و دیدن نمی خواہیم"[1]

ترجمہ: فقرا کے ساتھ ملاقات صرف خدمت و عقیدت کے خیال سے بہت سے دین اور دنیاوی منافع پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر یہی خیال ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر خود غرضی پر مبنی ہو اور سلطنت کی استدعا یا دوسرے دنیاوی مقاصد کی خواہش ہے تو اس کی یہاں آمد نہیں چاہتا۔

اس طرح ایک بار سلطان محمد اورنگ زیب فتنہ خیبر سے فارغ ہو کر لاہور واپس آئے تو ایک قاصد حضرت سعدی کے پاس بھیجدیا اور ملاقات کی التماس کی مگر ادھر سے حسب معمول بے نیازی اور استغنا کا مظاہرہ ہوا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ

"باعث دیدن یک دیگر خالی از وجوہ نیست غرض استدعا ہست پس ما بہ ایں امر کہ پیوستہ شمارا دعا میکنیم احتیاج آمدن و دیدن و گفتن نیست"[2]

ترجمہ۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات چند وجوہ سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو مقصود استدعا ہوتی ہے یا استفادہ اور یا افادہ۔ اگر تمہارا مطلب استدعا ہے تو ہم اس پہ قادر ہیں۔ کہ ہمیشہ تمہیں دعا دیتے رہیے۔ لہذا یہاں آنے۔ ملاقات کرنے اور بات کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

فیوضات و برکات | آپ اپنے دور کے ایک کامل مکمل اور نافع الخلق روحانی پیشوا گذرے ہیں[3]۔ آپ کی فیوضات و برکات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور آپ کے خلفا و مریدین کی تعداد بے شمار تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ

"مریدان ما مانند ستارہ ہائے آسمان از حیطۂ شمار خارج اند و منجملہ آنہا بہ تکمیل کمال بہ رتبۂ اجازت و ارشاد رسیدند"[4]

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صہ ۲۶۹ [2] ایضاً [3] نتائج الحرمین صہ ۲۲۰ [4] خزینۃ الاصفیا ج ا صہ ۶۵۲

ترجمہ۔ ہمارے مرید آسمان کے ستاروں کے مانند بے شمار ہیں۔ اور ان میں سے ایسے بھی (بہت سے مرید) ہیں جو مرتبہ کمال پہ پہنچ کر اجازت و ارشاد کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔"

حضرت سعدیؒ کی دینی خدمات کا نمایاں پہلو یہ ہے۔ کہ آپ نے اپنے انوار سے نہ صرف سرزمین پنجاب کو منور کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شمال مغربی سرحدی صوبہ اس کے ملحقہ قبائلی علاقہ جات میں بھی لوگوں کی اصلاح کے لئے زبردست مہم چلائی جس کے نتیجے میں حضرت سر اعظم شیخ محمد یحیٰی (حضرت جی اٹک) اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی جیسے نامور اور جلیل القدر مرید پیدا ہوئے جنہوں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی احیاء و اشاعت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان حضرت کی مخلصانہ تگ و دو کے نتیجے میں اہلسنت والجماعت کے مسلک کو بے حد تقویت ملی اور طریقہ نقشبندیہ کو اس علاقے میں زبردست فروغ حاصل ہوا۔

کشوف و کرامات | اولیاء اللہ اصل کمال کرامت معنوی۔ کتاب و سنت کا اتباع اور خلاف اولیٰ امور سے اجتناب ہوتا ہے۔ تاہم خداوند تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے بعض اوقات ان کو کرامت حسی بھی عطا فرماتا ہے۔

حضرت سعدی ایک صاحب کشف و کرامت۔ صاحب تصرف و مستجاب الدعوات ولی تھے اور خداوند تعالیٰ نے آپ کو کرامت کے نہایت اعلیٰ مراتب پر سرفراز فرمایا تھا۔ مولانا محمد امین بدخشی اور میاں صاحب چمکنی نے آپ کی کرامات کے بے شمار واقعات قلم بند کئے ہیں جن کی تفصیل میں جانا باعث طوالت ہو گا۔ البتہ مشتے نمونہ خروارے کے مصداق ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شاہجہان نے ہندوستان سے سید آدم بنوری کے اخراج کا حکم صادر کیا تو یہ سن کر حضرت سعدی بہت غضب ناک ہوتے۔ یہاں تک کہ ہاتھ میں غیبی تلوار لے کر شاہ کا سر قلم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دریں اثنا حضرت سید آدم بنوری ظاہر ہوئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

" از بادشاہ اسلام تحمل لازم است و نیک خواہی او رواجب نہ نہار بدی او نہ خواہی کہ وجود ش سبب امن و امان است بدی او بدی بہ تمام عالم است۔"[۳]

ترجمہ۔ بادشاہ اسلام کے بارے میں تحمل لازم ہے اور اس کی خیر خواہی واجب۔ خبردار! اس کی برائی مت چاہو۔ کیونکہ بادشاہ کا وجود امن و امان کا موجب ہے اور اس سے برائی کرنا تمام نوع انسانی سے برائی کرنے کے مترادف ہے۔

---

[۱] نتائج الحرمین ص ۲۲۰ [۲] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۶۵۲ [۳] نتائج الحرمین ورق ۲۲ - ظواہر السرائر ص ۸۵، ۸۶

مزارِ پُرانوار | آپ کا مزار شہر لاہور کے جس حصہ میں واقع ہے۔ ابتدا میں یہ مقام محلہ پیر مرنگ کے نام سے موسوم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا نام موضع مزنگ مشہور ہوا جس احاطہ میں آپ آرام فرما ہیں وہ آپ کے نام کی مناسبت سے سعدی پارک کہلاتا ہے۔ یہاں تقریباً دس فٹ اونچی چاردیواری کے اندر ایک اونچے چبوترے پر آپ کا مزار ہے جس پر آپ کی وصیت کے مطابق گنبد تعمیر نہیں کیا گیا۔ چاردیواری کے مشرقی کونے میں ایک اور قبر بھی ہے مگر صاحب قبر کے بارے میں تاحال معلومات دستیاب ہیں۔ شمالی دیوار میں چراغ روشن کرنے کے لئے بے شمار سوراخ بنائے گئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں حضرت سعدی کا احاطہ قبر ایک وسیع باغ سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس باغ کی آبیاری کے لئے دو کنوئیں تعمیر کئے گئے تھے۔ سکھوں کے دور میں وہ باغ اور کنواں سکھ گردی کی نذر ہو کر اجڑ گیا۔ بعد کے زمانے میں ہدایت خان بلوچ ساکن مزنگ باغ کے قطعہ زمین پر قابض ہوا اور اب تک یہ زمین ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے[1]

اولاد | حضرت سعدیؒ کے چار صاحب زادے تھے اور ہر ایک زہد و تقویٰ اور علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کا سچا جانشین رہا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔

"ہر چہار ستون دین متین بودند و بدستگیری پدر عالی قدر آں چناں بہ کمالات ظاہری و باطنی رسیدند کہ از ہمہ مشائخ متاخرین گوئے سبقت بردند[2]"

ترجمہ۔ چاروں (صاحب زادے) دین متین کے ستون تھے اور اپنے پدر عالی قدر کے طفیل ایسے ظاہر و باطنی کمالات حاصل کئے کہ تمام متاخرین مشائخ پر سبقت لے گئے۔

ہر ایک کا مختصر حال حسب ذیل ہے۔

۱۔ **خواجہ محمد سلیمؒ** | خواجہ محمد سلیم آپ کے فرزند اکبر تھے۔ اور یار محمد لاہوری کی صاحب زادی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے[3] آپ جملہ انسانی کمالات سے متصف اور تمام امور میں اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر گامزن تھے

---

[1] لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم صہ ۱۳۱، ۱۳۴ [2] خزینۃ الاصفیا صہ ۲ ۵ ۶

[3] ظواہر السرائر (کوہاٹ) صہ ۱۸۵۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ حضرت میاں صاحب چمکنی نے خواجہ موصوف کے حالات کے ضمن میں ان کی والدہ ماجدہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد سلیم فرزند کلاں آنحضرت است واز صلبیۂ شریفہ مولانا یار محمد لاہوری است۔ دوسرے صاحبزادوں کے حالات بیان کرتے وقت اس امر کا اہتمام نہیں کیا گیا جس سے یہ بات مترشح ہوتی کہ حضرت سعدی نے ایک سے زیادہ عورتوں کو اپنے عقد نکاح میں لایا۔ واللہ اعلم

خدا نے آپ کو سینہ حفظ قرآن کے شرف عظیم سے مشرف فرمایا تھا۔ تلاوت کلام پر اتنی مداومت سے کام لیتے تھے کہ خواب و بیداری دونوں حالتوں میں بے اختیار کلام ربانی آپ کی زبان پر جاری رہتا تھا[1]

۲۔ خواجہ عیسیٰؒ خواجہ محمد عیسیٰ حضرت سعدی کے نہایت محبوب اور چہیتے بیٹے تھے۔ بہادر شاہ سلطان معظم کا زمانہ پایا۔ آپ کے والد بزرگوار نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ان کو قائم مقام بنا کر طالبانِ حق کی تربیت و ارشاد کے لئے مجاز و مرخص فرمایا تھا[2]

حضرت شیخ محمد یحییٰؒ (حضرت جی اٹک) حضرت سعدی کی جانب سے ان کی مدد و معاونت پر مامور تھے اور ان کی بہت تعریف و ستائش فرماتے۔ ایک بار فرمایا۔

"خدمت خواجہ شیری است در بیشہ توکل در رضا و بادشاہ، است و امروز ہر جائی حضرت ایشان است و در ہر لحظہ از آں حضرت بہ کمالے سرفراز و بہ صفتے ممتاز می شوند[3]

ترجمہ۔ جناب خواجہ محمد عیسیٰ توکل رضا کے جنگل کے شیر ہیں۔ اور سلطنت طریقت کے بادشاہ۔ آج اپنے والد کے قائم مقام ہیں۔ اور ہر لحظہ آں حضرت (سعدی) سے کسی نہ کسی کمال اور کسی نہ کسی صفت میں سرفراز ہوتے رہے ہیں۔

حضرت میاں محمد عمر چمکنی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا سر اعظم کے سامنے کہا کہ حضرت سعدی کے فرزند سوم خواجہ محمد یوسف کا چہرہ اپنے والد بزرگوار سے ملتا جلتا ہے۔

مولانا موصوف نے استبعاد کرتے ہوئے فرمایا۔

ہم چناں کہ تو گوئی نیست بلکہ چہرہ و روی حضرت خواجہ محمد عیسیٰ دام اللہ تعالیٰ بہ حضرت می نماید و در حضرت خواجہ ظہور ایشان است و خواجہ قائم مقام و بر جائے آں حضرت است و سر موی او پیروی و تبعیت آنحضرت دور نیست[4]

ترجمہ: جیسا کہ تو کہتا ہے ایسا نہیں بلکہ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ کا چہرہ آں حضرت جیسا ہے اور حضرت خواجہ میں انہی کا ظہور ہے اور حضرت خواجہ آنحضرت (سعدی) کا قائم مقام اور جانشین ہے اور بال برابر آنحضرت کی پیروی اور اتباع سے باہر نہیں ہیں۔

بہادر شاہ سلطان معظم نے خواجہ موصوف کی عزت افزائی کی خاطر ان کو بڑا منصب عطا فرمایا تھا مگر جب

---

[1] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۱۳ [2] ایضاً (کوہاٹ) ص ۴۲۳ [3] ایضاً (لاہور) ص ۵۱۶ [4] ظواہر السرائر لاہور ص ۵۱۷

حضرت سعدیؒ کا انتقال ہوگیا تو اپنے منصب کو چھوڑ کر لاہور آ گئے اور مخلوق خدا کے ارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت میاں صاحب چمکنی کے ساتھ بہت گہرے مراسم تھے اور حضرت میاں صاحب کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک بار خواجہ محمد عیسیٰؒ اٹک تشریف لائے تھے میں ان کی خدمت میں بے حد التفات اور مہربانی فرمائی اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

"تمہاری کشش تھی کہ یہاں چند دن قیام کیا ورنہ دو تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔"[۱]

خواجہ محمد عیسیٰ کو علوم باطنی میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔ مولانا عبد الغفور پشاوری کا بیان ہے کہ حضرت سعدی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

اہل اللہ نیز و حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از برائے خواجہ محمد عیسیٰ کمالات خلافت درخواست کردہ اند و آں درخواست بہ درجۂ عبادت رسیدہ است انشاء اللہ محمد عیسیٰ بہ درجہ کمال خواہد رسید۔[۲]

ترجمہ۔ اہل اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواجہ محمد عیسیٰ کے لئے کمالات خلافت کی درخواست کی ہے اور وہ درخواست منظور ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ محمد عیسیٰ درجہ کمال حاصل کر لیں گے۔

حضرت خواجہ عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند۔ خواجہ غلام محمد اور خواجہ محمد صادق عطا فرمائے تھے۔

۳۔ **خواجہ محمد یوسفؒ** خواجہ محمد یوسف آپ کے تیسرے فرزند تھے اور بڑے عالم و فاضل اور باکمال صوفی تھے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ حضرت سر اعظم محمد یحییٰ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بڑے عابد و زاہد اور مرتاض بزرگ تھے شب بیداری، بھوک، نماز تہجد، ذکر و قوف قلبی اور ذکر و قوف عددی پر مواظبت کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔[۳]

۴۔ **خواجہ محمد عارفؒ** آپ حضرت سعدی کے فرزند اصغر تھے ان کے ساتھ بیحد پیار و محبت کرتے اور فرماتے تھے کہ

"عارف اسم بامسمیٰ است عارف سلطان العارفین خواجہ شد۔ عارف نتیجہ آخر وقت ما ست و بے کمالات است و صاحب مناصب علیا خواہد شد۔"[۴] ترجمہ۔ عارف اسم بامسمیٰ ہے اور عارف سلطان العارفین ہو جائے گا۔ عارف ہمارے آخری وقت کا نتیجہ ہے بہت سے کمالات کا حامل ہے اور بلند مناصب پر فائز ہو جائے گا۔"

---

[۱] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۰۷ [۲] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۱۹ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب خزینۃ الاصفیاء میں شیخ سعدی کے حالات کے ذیل میں آپ کے فرزند دوم کا نام "محمد غنی" بتایا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگار ان کی تقلید میں یہی نام نقل کرتے رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ کاتب کے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مصنف موصوف نے جس ماخذ کے حوالے سے یہ بیان دیا ہے اس کے دو دستیاب نسخوں میں فرزند دوم کا نام محمد عیسیٰ تحریر ہے۔ واللہ اعلم

[۳] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۲۷ [۴] ایضاً ص ۵۲۵-۵۲۷

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری۔ جام پور

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

اکابر علماء کرام کی نظر میں

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں۔ آپ ملت اسلامیہ کے عظیم فرزند اور ممتاز راہنما تھے۔ اس دور کے جید عالم دین، بہترین فقیہ، عظیم خطیب اور ملک وملت کے عظیم قائد تھے انہوں نے جو اسلامی اور ملی خدمات انجام دی ہیں تاریخ انہیں کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ ان کے فہم وفراست اور تدبر وسیاست کے اپنے پرائے سب ہی معترف تھے۔ ذیل میں چند اکابر ومشائخ اور معاصر علماء کرام کے مختصر تاثرات درج کیے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کی شخصی عظمت اور خدمات جلیلہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ | مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند اپنے دور کے محدث عظیم، عظیم الشان مفسر، بہترین محقق اور بے مثال فقیہ تھے۔ بلکہ تفسیر وفقہ کے امام تھے ان کا علم وفضل وتقویٰ اور خلوص وللہیت مسلّم تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی رحلت پر اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا تھا کہ۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی وفات کی خبر سن کر شدید صدمہ پہنچا ہے وہ دیوبند کی ایک عظیم یادگار تھے۔ اُن کے علمی کارنامے اور ان کا عمل اسلامی دنیا کے لوگوں اور نوجوانوں کے لئے مشعل راہ بن کر زندہ رہیں گے۔ آپ جیسا جید عالم دین اور فقیہ النفس اب مشکل ہی پیدا ہو گا[1]

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود صاحبؒ کے دور اقتدار میں جب مفتی محمود صاحبؒ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور صوبہ سرحد میں مفتی صاحب نے شراب پر پابندی اور دوسرے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا اعلان کیا تو حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب نے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

مولانا مفتی محمود صاحب نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھانے کے بعد صوبہ میں شراب پر پابندی اور قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا جو اعلان کیا ہے یہ درحقیقت اس حلف نامہ کی تعمیل کا ایک حصہ ہے جو ہر مسلمان نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اور جو پاکستان بننے کے فوراً بعد پورے ملک میں ہونا چاہیے تھا۔ میں اس اقدام پر مولانا مفتی محمود اور ان کی حکومت کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس اعلان پر جلدی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“[1]

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ | حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اس وقت ہمارے اسلاف کی عظیم یادگار ہیں۔ اور ایک عظیم محقق، محدث اور عارف کامل ہیں۔ گذشتہ چند برس پہلے جب حضرت قاری صاحب مدظلہم ملتان تشریف لاتے تو خیر المدارس کے علاوہ قاسم العلوم بھی تشریف لے گئے۔ اور حضرت مولانا مفتی صاحب نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس میں فرمایا کہ:۔

” حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ اس وقت پوری دنیا سے اسلام کے عظیم اسکالر ہیں اور ہمارے بزرگوں کے علم و تقویٰ کا زندہ نمونہ ہیں۔ ان کی شخصیت ہمارے لئے سرمایہ حیات ہے“[2]

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ممتاز فضلائے دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے مفتی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

” آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں بہت زیادہ معروف ہے۔ اور اس وقت پاکستان کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ حق گوئی میں بے باک ہیں۔ پارلیمنٹ میں آپ کی تقریریں شرعی اور عصری معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہوتی ہیں اور آپ پاکستان میں ممتاز فضلاء دیوبند میں سے ہیں“[3]

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ | حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ حضرت علامہ بنوری قدس سرہ کے محب و محبوب تھے۔ حضرت مفتی صاحب ماہنامہ بیّنات کے بنوری نمبر میں اپنے تفصیلی مضمون میں حضرت علامہ بنوری صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرت مولانا بنوریؒ دارالعلوم دیوبند کے قابلِ فخر فرزند اور میدان علم و عمل کے شہسوار تھے وہ ہمارے بزرگ

---

[1] ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۵ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ [2] روزنامہ امروز ملتان [3] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۸۳

دوست تھے۔ ساتھی تھے مخلص مشیر تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے شاگردوں میں جو عظمت مولانا بنوری رحؒ کو نصیب ہوئی وہ کم ہی لوگوں کے حصہ میں آئی۔"

حضرت علامہ بنوری، حضرت مفتی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:۔

انتہائی شکر گذاری کا مقام ہے کہ سرحد کی وزارت اعلیٰ پر فائز ہونے کا ایک ایسی شخصیت کو منجانب اللہ موقع ملا ہے جس کی طویل زندگی کا پورا حصہ درس و تدریس میں گذرا ہے۔ وہ ایک دینی و علمی درسگاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بھی ہیں۔ صاحب بصیرت و باذوق فقیہ ہیں محقق عالم ہیں۔ صاحب قلم ہیں۔ مجالس عامہ میں اظہار مافی الضمیر پر عمدہ قدرت رکھتے ہیں۔ سیاسی داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہیں۔ دینی سیاست کے ماہر ہیں۔ منصب کے بھوکے نہیں جاہ و منصب پر ایسا شخص برسراقتدار نہیں آیا اور اس شخص نے اپنی دینی و سیاسی فراست کا لوہا منوایا ہے[۱]

خطیب الاسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی | خطیب الاسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اور ایک عظیم محقق جلیل القدر مفسر اور شہرۂ آفاق خطیب تھے۔ اپنے حسن صورت احسن سیرت اور حسن خطابت میں بے نظیر تھے۔ گو حضرت مولانا تھانوی اور حضرت مفتی صاحب میں سیاسی اختلاف تھا۔ مگر دونوں بزرگ ایک دوسرے کے علم و فضل اور خدمات جلیلہ کے معترف تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ محمد تقی عثمانی ایم اے ایل ایل بی فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے درمیان جو سیاسی اختلاف رہا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن ایک روز گفتگو کے دوران حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے فرمایا۔

مولانا احتشام الحق صاحب سے ہمیں سیاسی معاملات میں بہت اختلاف رہا ہے لیکن ان کی اس بات کی ہمیشہ قدر رہی ہے کہ انہوں نے کبھی کسی رعب یا لالچ میں آ کر دینی مسائل کے بارے میں کوئی مصالحت نہیں کی۔ اور کبھی کسی حکومت کے ساتھ ان کا خواہ کتنا ہی اشتراک عمل رہا ہو لیکن جب کبھی کسی دینی معاملے کا سوال آیا مولانا تھانوی نے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ عائلی کمیشن میں وہ تن تنہا تھے لیکن انہوں نے وہ اختلافی نوٹ لکھا جو مشہور و معروف ہے۔ الحمد للہ علماء دیوبند کی یہ خصوصیت ہے کہ دینی مسائل کے معاملے میں وہ پختہ ہوتے ہیں۔ مولانا تھانوی بھی اپنے مسلک کے سخت پابند تھے۔"[۲] اسی طرح جب حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سرحد کے وزیراعلیٰ تھے اور جب آپ نے شرعی قوانین کا اعلان کیا تو حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ:۔

---

[۱] ماہنامہ بینات کراچی جولائی ۱۹۷۲ء [۲] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

حکومت صوبہ سرحد نے شراب پر پابندی، قمار بازی اور دوسرے غیر شرعی کاموں پر جو پابندی لگائی ہے وہ لائق تحسین کام ہے اور مرکزی حکومت کو بھی چاہئے کہ پورے ملک میں اسی طرح غیر شرعی اور حرام چیزوں پر پابندی لگائے اور ملک بھر میں اسلامی قوانین جاری کئے جائیں۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کا یہ اقدام قابل مبارکباد ہے حق تعالیٰ پورے ملک میں اسلامی احکامات نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے[1]

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ | حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ اسلام کے عظیم مجاہد، حق گو عالم دین اور بہترین محقق تھے۔ ان کی دینی، علمی اور تبلیغی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے سانحہ ارتحال پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ :-

مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کی وفات سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ وہ اسلام کے عظیم مبلغ اور نڈر مجاہد تھے ان کی تفسیر قرآن، مدرسہ تعلیم القرآن عظیم کارنامے ہیں۔ ان کا مجاہدانہ کردار اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا"[2]

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ، حضرت مفتی صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

"دیوبند کے ایک عالم نے اپنی حکومت سے یہ ثابت کر دیا کہ مملکت کے امور کو علماء دوسرے لوگوں سے زیادہ احسن طریقے پر انجام دے سکتے ہیں"[3]

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ | شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم العالی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ اور پاکستان کے چوٹی کے صاحب سواد اور استعداد علماء میں سے ہیں عرصہ تک جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر رہے اور ساری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزر رہی ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

"حضرت علامہ افغانی مدظلہ اکابر دیوبند کی یادگار ہیں اور آپ کا علم و فضل علماء کی صف میں مسلّم ہے اور آپ اس وقت عظیم محقق، محدث، مفسر، مدبر اور مایہ ناز فاضل و عالم ہیں اور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود بھی دینی و علمی خدمات میں مصروف رہے ہیں"

اسی طرح علامہ افغانی صاحب مدظلہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے فہم و فراست اور تدبر و سیاست کے معترف رہے

[1] بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی [2] روزنامہ نوائے وقت ملتان [3] ماہنامہ الرشید ساہیوال

ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا:۔

"مولانا مفتی محمود صاحب علم و حکمت میں پچاس جید علماء سے بڑھ کر ہیں"[1]

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ | حضرت مولانا درخواستی صاحب اس دور کے بزرگ علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کالعدم جمعیت علماء اسلام کے سربراہ رہے ہیں۔ اور اس وقت شیخ طریقت اور جامع شریعت ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے سانحہ ارتحال پر شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"مولانا مفتی محمود صاحب ہمارے قابل فخر علماء میں سے تھے۔ ان کی رحلت نے کمر توڑ دی ہے۔ وہ ایک زبردست عالم دین۔ فقیہہ اور بلند پایہ سیاست دان تھے۔ ان کی جدائی ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی"

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ | شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فضلاء میں سے ہیں۔ اور اس وقت پاکستان کے چند گنے چنے اکابر علمائے کرام میں آپ کا شمار ہے جو درحقیقت محتاج تعارف نہیں عرصہ دراز سے آپ درس حدیث دے رہے ہیں اور آپ کی طرف طالبان علم کا بے پناہ رجوع ہے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے مخلص ترین بزرگ ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور تبحر علمی اور زہد و تقویٰ میں سلف صالحین کا نمونہ ہیں حضرت مفتی صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں کہ:۔

"عالم اسلام اور سیاسی دنیا کے عظیم مفکر، علمی میدان کے شہسوار سخت اور مشکل گتھیوں کو کھولنے والا علماء کے گروہ میں ایک عظیم مشعل دین۔ اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کرنے والا۔ علماء کے رتبہ کو قوم کے سامنے واضح کرنے والا۔ حق و انصاف پر فیصلہ کرنے والا۔ اظہار حق میں خوف نہ کرنے والا۔ اقتدار حکومت سے نہ دبنے والا۔ دنیا اور دولت کے خزانوں کو ٹھکرانے والا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی رحلت تمام ملت اسلامیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے"

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ | شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی مدظلہ علمی و دینی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ اس وقت پاکستان کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر ہیں۔ پوری علمی دنیا آپ کے تبحر علمی کا اعتراف کرتی ہے اور بقول حضرت مولانا مفتی صاحب کہ:۔

اپنے علم و فضل اور اخلاق و عادات میں اپنے والد مکرم شیخ المحدثین حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی نوراللہ مرقدہ

---

[1] الرشید ساہیوال مفتی نمبر

کے صحیح علمی وارث اور جانشین ہیں ۔ پاکستان کے جید علماء میں سے ہیں اور حدیث و تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔"

حضرت مفتی صاحب کے سانحہ ارتحال پر اپنے تعزیتی پیغام میں فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی وفات کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا ۔ وہ ملک و ملت کے عظیم مذہبی اور سیاسی راہنما تھے ۔ ان کی وفات علمی اور سیاسی حلقوں کا عظیم سانحہ ہے ۔ ابھی تو مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کی جدائی کا زخم تازہ تھا کہ مولانا مفتی محمود صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔" [۵]

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری مدظلہٗ

حضرت بخاری صاحب مدظلہ فاضل دیوبند اور پاکستان کے ممتاز عالم ہیں تنظیم اہلسنت والجماعت کے سربراہ ہیں ۔ ایک بہترین خطیب ، ادیب اور متعدد علمی تاریخی کتب کے مصنف و مؤلف ہیں ۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں ۔

"مولانا مفتی محمود صاحب ملت اسلامیہ کے عظیم فرزند اور قائد تھے ۔ ان کا سیاسی تدبر مشہور و معروف ہے ۔ اور ان کی دینی و ملی خدمات ناقابل فراموش ہیں انہوں نے ہمیشہ جرأت و بیباکی سے باطل نظریات کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ حق گوئی اور جرأت سے کام کیا ۔ ان کی وفات سے تمام علمی و دینی اور سیاسی حلقوں کو عظیم نقصان پہنچا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ابدی آرام و راحت نصیب فرمائے۔" آمین

BREAD
B.P.
B.P.
FRUIT BUN
FRUIT CAKE
B.P.
B.P. (LAHORE) LTD.
LAHORE

VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں ،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں —
VALIKA
ولیکا وولن ملز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT

مولانا بدرالحسن القاسمی صاحب
ایڈیٹر الداعی و استاذ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند
اور
عالم عرب

عرب دنیا سے کسی دینی اور تعلیمی ادارہ کی وابستگی کا اس وقت جو مفہوم ہوگیا ہے۔ یا جو جذبہ عام طور پر اس تعلق اور وابستگی کے پس پردہ کارفرما ہوتا ہے۔ اس سے دارالعلوم کے ذوق و مسلک یہاں کی مخصوص روایات اور سب سے بڑھ کر ان بلند اصولوں کو کوئی مناسبت نہیں ہے جو اس ادارہ کا سرمایہ امتیاز ہیں۔ اور نہ دارالعلوم کے طریق کار میں اتنی لچک ہے کہ کسی وقتی غرض و مقصد کے تحت ہر طرح کے رجحان سے ذوق و ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔ چنانچہ آج کے دارالعلوم کا رشتہ باہر کی دنیا سے برائے نام ہی رہا ہے۔ اور میری نظر میں اس کے اندر ہر طرح کے خیر و فلاح کا راز مضمر ہے۔ اس سلسلہ میں پچھلے چند برسوں سے جو منافست کی فضا مختلف اداروں کے مابین پیدا ہوگئی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان اداروں کے کردار کے لئے اس کی حقیقت سم قاتل سے کم نہیں ہے۔

البتہ دارالعلوم دیوبند کو جنوب مشرقی ایشیا کی تمام دینی تعلیم گاہوں پر جو شرف و امتیاز حاصل ہے اس کے فیض و اثر کا دائرہ جتنا وسیع ہے اور اس کی خدمات جتنی ہمہ جہت ہیں انہیں دنیا کے سامنے صحیح اور حقیقی صورت میں ضرور آنا چاہئے۔ اس طرح علماء دیوبند کے جو علوم اب تک سربمہر چلے آرہے ہیں انہیں ضرور عام ہونا چاہئے اور عرب دنیا کے علمی و دینی مراکز سے ثقافتی اور علمی تعلقات ضرور قائم ہونے چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے کئی سال سے جدوجہد جاری ہے اور اس کے مفید نتائج و ثمرات بھی سامنے آرہے ہیں۔

ہماری نظر میں دارالعلوم دیوبند کی حقیقی اور واقعی صورت اتنی موہنی ہے کہ اس کو کسی طرح کی مشاطگی کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۱۷ سال کی خاموش اور بے لوث علمی دینی خدمت اور دین کی سربلندی کے لئے مخلصانہ جدوجہد ہمارا وہ سرمایہ ہے جس سے ہمارا سر عزت و افتخار سے اونچا ہوجاتا ہے۔ ہمیں کسی بھی مرحلہ میں تاریخ سازی یا

فن کاری کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

پوری ایک صدی سے دارالعلوم دیوبند کو دینی حیثیت سے جو امامت و سیادت کا مقام حاصل ہے اور عوام کو شیفتگی اس مرکز علم و اخلاص سے ہے اس کا روح پرور نظارہ صد سالہ اجلاس کے موقع پر سامنے آچکا ہے، جسے دیکھ کر عرب و عجم کے سبھی شرکاء، وانگشت بدندان تھے۔ کہ کسی تعلیم گاہ کے ساتھ اس والہانہ عقیدت و محبت کا غالباً تاریخ میں پہلی مرتبہ سامنے آیا ہے۔

جہاں تک عرب دنیا کا تعلق ہے تو دارالعلوم دیوبند کو ممتاز اہل علم کے طبقے میں ایک اہم علمی مرکز کی حیثیت سے ہمیشہ جانا جاتا رہا ہے۔ اور دارالعلوم کے فیض و اثر سے مصر و شام اور حجاز مقدس تک کی سرزمین خالی نہ رہی تھی اور اب تو دنیا کے بیشتر ممالک میں دارالعلوم کا نام لینے والے ایک معتد بہ تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن اب سے بہت پہلے مصر کے نامور مفکر اور مشہور عالم دین علامہ رشید رضا کو برصغیر میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا اگر کوئی سامان نظر آیا تھا تو وہ دیوبند کا ہی مرکز علم و عرفان تھا۔ اور خاص علم حدیث کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس کی شہرت کا شہرہ اتنی دور دور تک انیسویں صدی کے بالکل ابتدائی سالوں میں پہنچ چکا تھا کہ پروانہ وار دنیا کے مختلف خطوں سے علم و اخلاص کے شیدائی آنے لگے تھے۔ اور حدیث کے موضوع پہ دیوبند کے علماء کی تصنیفی خدمات کا چرچا ہونے لگا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ بعض حلقوں کی طرف سے دارالعلوم کے طریقہ کار علماء دیوبند کے عقیدہ و مسلک سے لوگوں کو برگشتہ رکھنے کی مہم جاری رہی کیونکہ دارالعلوم کا سطح پر نمایاں ہو کر آنا فی الحقیقت ان حلقوں اور اداروں کے لئے موت کے مترادف تھا اور کسی نہ کسی صورت سے یہ منفی عمل آج بھی جاری ہے۔ بلکہ بعض وجوہ و اسباب کی بنا پر اس میں کسی قدر شدت بھی آگئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جھوٹ کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ حقائق کو زیادہ دنوں تک نگاہوں سے چھپایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آج ایک دنیا ہے جو دارالعلوم کو جانتی ہے اور اس کے کارناموں کو برصغیر کی علمی دینی تاریخ کا سب سے زریں باب تصور کرتی ہے۔ مجھے خود اپنے غیر ملکی سفر کے دوران اس کا بار بار تجربہ ہوا۔ ریت کی وہ عمارت جو دارالعلوم کے خلاف قائم کی گئی تھی وہ اب بتدریج اپنے انجام کو پہنچتی جا رہی ہے۔ اور اگر مثبت عمل کا سلسلہ اپنی طرف سے جاری رکھا گیا تو خود بخود سارے غبار چھٹ جائیں گے۔

البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے بعض اہم اور مثبت قدم اٹھائے۔ اور خصوصیت کے عصر حاضر کی زبان میں تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین اور علم کی خدمات کے پہلو کو ضرور سامنے رکھے۔ اس کے بغیر آج کی دنیا میں کسی تعلیم گاہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ساتھ ہی

علماء دیوبند کی بلندپایہ علمی تصانیف کو ادارہ اپنے لٹریچر کی حیثیت سے سامنے لانے کا اہتمام کرے اس سلسلے میں ایک عرب عالم کے ساتھ اپنا یہ واقعہ میں نہیں بھول سکتا کہ جب میں نے ان سے دارالعلوم کے اس منصوبہ کا ذکر کیا کہ یہاں تحقیق وریسرچ کا ایک مرکز قائم کیا جائے گا۔ پھر کسی قدر اہمیت کے ساتھ میں نے علماء دیوبند کی علم حدیث کے سلسلے میں امتیازی خدمات کا ذکر کیا اور فیض الباری۔ فتح الملہم۔ العرف الشذی۔ معارف السنن۔ بذل المجہود۔ اعلاء السنن وغیرہ کی خصوصیات کے ذکر کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہونے والی کتابیں مصنف عبدالرزاق ، مسند سعید بن منصور ، کتاب الزہد ، مسند حمیدی اور المطالب العالیہ وغیرہ کا ذکر کیا۔ پھر ترجمان السنہ معارف الحدیث وغیرہ کا تذکرہ کیا۔ پھر علامہ انور شاہ کی کشف الستر اور نیل الفرقدین کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد شیخ عبدالفتاح کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہونے والی علماء دیوبند کی کتابوں۔ قواعد فی الحدیث۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور مبادی علم الحدیث و اصولہ وغیرہ کا ذکر کیا تو مجھے بڑی حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا کہ " بھائی تمہارے یہاں تو دنیا کا سب سے بڑا تحقیق کا شعبہ قائم ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ ان کتابوں پر مرکز البحث العلمی بدار العلوم لکھ دو "

پچھلے دو تین سالوں سے اللہ نے احقر کے لئے یہ سعادت مقدر کر رکھی ہے کہ عرب دنیا میں اپنے قلم اور زبان سے دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کو متعارف کراؤں۔ اس سے قبل علامہ محمد یوسف بنوری مرحوم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر اور استاذ مکرم مولانا وحید الزمان کیرانوی کے ذریعہ بعض حلقوں میں دارالعلوم کے تعارف کی کوششیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ علی گڑھ کے موجودہ صدر شعبہ دینیات جناب ڈاکٹر رضوان اللہ نے تو جامع ازہر میں اپنے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہی دارالعلوم کے موضوع پر لکھا تھا۔

جن اشخاص اداروں اور جماعتوں کو عرب دنیا میں اب تک اثر ورسوخ حاصل رہا ہے اکثر و بیشتر دارالعلوم کے بارے میں ان کے رویہ میں رشک و رقابت بلکہ دشمنی و عناد کا جذبہ کارفرما رہا ہے جو درحقیقت ایک مخصوص قسم کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ ہے جس کی تعبیر احساس کمتری کے علاوہ کسی لفظ سے نہیں ہو سکتی۔ اس رویہ کی بنا یہ ہے کہ وہ حلقے دارالعلوم کے سطح پر نمایاں ہونے کو اپنی موت تصور کرتے ہیں۔

اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ سے محض اظہار حقیقت مقصود ہے تاکہ دارالعلوم کے سلسلہ میں مثبت کام کرتے وقت یہ پہلو سامنے رہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود دارالعلوم کی عظمت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ آج مختلف عرب یونیورسٹیوں میں دارالعلوم کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ فضلاء دیوبند میں ڈاکٹر اسماعیل عبدالرزاق جامعہ ازہر میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی جامعۃ الریاض میں اور ڈاکٹر محمد مظہر بقا۔ اور ڈاکٹر عبدالصبور قاسمی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی میں بحیثیت

استاذ کام کر رہے ہیں۔

۱۳۹۷ھ میں جب الداعی کا دارالعلوم نمبر سامنے آیا تو کویت کے مشہور ہفت روزہ " البلاغ " نے دس صفحات پر مشتمل تفصیلی تعارف شائع کیا جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ دارالعلوم کی علمی و دینی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ابوظبہی کے ماہنامہ " منارالاسلام " کے نامہ نگار عبدالفتاح سعید نے اپنے ماہنامہ میں دارالعلوم کا تفصیلی تعارف شائع کیا۔

اس کے علاوہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے اجتماعات اور رسالۃ المسجد کانفرنس میں مولانا سالم صاحب کی شرکت سے بھی خوش گوار اثر ہوا۔

پچھلے دنوں اجلاس صدسالہ کے سلسلے میں احقر نے اور مولانا محمد سالم صاحب نے کویت، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا تو تقریباً ہر حلقہ میں دارالعلوم کی آواز پہنچ گئی۔ اور ہر جگہ دارالعلوم کے وفد کی بڑی پذیرائی کی گئی۔ کویت کے تقریباً تمام ہی روزنامے، السیاسہ، القبس، الہدف۔ الرائی العام اور ہفتہ وار رسائل و مجلات میں سے البلاغ۔ المجتمع وغیرہ نے خصوصی انٹرویو شائع کئے۔ وہاں کی وزارت اوقاف کا بھرپور تعاون بھی حاصل رہا۔

سعودی عرب کے پایۂ تخت ریاض میں وزیر عدل شیخ ابراہیم بن محمد کے علاوہ شیخ ابن باز، شیخ ابن حمید، شیخ ابن عقیل، شیخ عبداللہ ترکی اور شیخ محمد ناصر عبودی وغیرہ سے بڑی پر لطف ملاقاتیں رہیں۔ ان حضرات نے وفد کے مقصد سے گہری دلچسپی لی۔ اور ریاض سے شائع ہونے والے " الدعوۃ " نے بڑا طویل اور مفصل انٹرویو بھی شائع کیا۔

اسی طرح مدینہ یونیورسٹی۔ مکہ کی عبدالعزیز یونیورسٹی۔ رابطہ عالم اسلامی وغیرہ کے حلقہ میں دارالعلوم کا بڑا تعارف ہوا۔ ان حضرات کے لئے دارالعلوم کے سلسلہ میں بہت سی باتیں ایک نئی دنیا کی دریافت سے کم نہ تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ اجلاس صدسالہ کے موقع پر عالم عرب کی بڑی بھرپور نمائندگی رہی۔ ہر ادارہ نے اپنا ایک مؤقر وفد بھیجا۔ اور اجلاس سے پیشتر بھی اور اجلاس کے بعد بھی دارالعلوم کے سلسلہ میں مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے۔ اور اجلاس کے مفید اثرات کو واضح کیا۔

یہ دارالعلوم کے اجلاس کی خصوصیت تھی۔ کہ عالم عرب سے متعدد وزراء، عالم اسلام کے نامور قاری اور بلند پایہ مفکرین اور علماء سبھی جمع ہو گئے تھے۔ سعودی عرب کے شاہ خالد کے نمائندہ کے علاوہ خاص طور پر کویت کی وزارت اوقاف، مصر کی وزارت اوقاف۔ مدینہ یونیورسٹی۔ رابطہ عالم اسلامی اور عمان، عراق اور شام وغیرہ کے نہایت ہی مؤقر وفود اجلاس کے لئے رونق افروز رہے۔

ان وفود نے دارالعلوم دیوبند کی عظمت واہمیت کا جن وقیع الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ ایک مستقل موضوع ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم عرب سے جو رشتہ قائم ہے اسے زیادہ وسعت دی جائے۔ اور ادارہ کو خاص منصوبہ اور پلان کے مطابق آنے والے ایام میں اور زیادہ مؤثر اور ترقی یافتہ بنایا جائے۔ اور اس کا علمی وثقافتی رشتہ دنیا کے تمام علمی و دینی مراکز سے قائم کیا جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ اجلاس صد سالہ نے بعض نئے شعبوں کے قیام۔ فضلاء کی تنظیم۔ مدارس کے وفاق وغیرہ سے متعلق تجاویز منظور کی ہیں۔ جن سے امید کی کرن پھوٹتی ہے۔ کہ دارالعلوم کو حیات نو حاصل ہوگی۔ اور آنے والی صدی میں امت کی قیادت کا فریضہ پورے حوصلہ اور ولولہ کے ساتھ علماء دیوبند کے ہاتھوں انجام پائے گا۔ اور ساری دنیا کے علمی اور دینی مراکز سے دارالعلوم کا رشتہ اور بھی زیادہ ترہو جائے گا۔ لیکن ضرورت ہے مثبت کام اور فوری اقدام کی ۔

بقیہ : امام اعظم ابوحنیفہؒ

حضرت زید بن ثابتؓ ارشاد فرماتے ہیں :-

فادع اهل الرائے ثم اجتهد و اختر لنفسك ولا حرج	تم اہل رائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لئے مناسب حکم اختیار کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(سنن کبری ج ۱۰ - ص ۱۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز قاضی کے لئے جو پانچ شرطیں لگاتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

مستشیر الذی الرای رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو (مقام ابی حنیفہ)

حضرت حباب بن منذر کی بدر کے موقعہ پر رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قبول کر لی تھی۔ (مقام ابی حنیفہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرۃ الرای کہتے تھے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۴۴۷ بحوالہ مقام ابی حنیفہ)

ماننے والوں کے لئے تو ایک صحابی کا اجتہاد و استنباط بھی کافی ہے جب کہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو۔ اور نہ اس پر کسی صحابی سے نکیر آئی ہو۔ مگر خدا " نہ ماننے والوں " کا بھی بھلا کرے جو نہ ماننے کی بھی آخری حد پر اتر آئے اور یہاں تک اتر آئے کہ قرآن وسنت، خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ سے ثابت شدہ اجماعی مسئلہ کا بھی انکار اور پھر انکار ہی پر اصرار کر بیٹھے۔ مگر یہ فطری اور ازلی تقسیم باعث تعجب کیوں ہو ؟ اگر " نہ ماننے والے " نہ ہوتے تو " ماننے والوں " کو خود ماننے، ثابت کرنے، بتانے، سمجھانے اور پھر منوانے کا ثواب کیونکر ملتا ؏ اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا۔ (باقی آئندہ)

شفیق فاروقی

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

● حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خبر وفات سے دارالعلوم کے ہر طبقہ میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی درسگاہوں میں یہ اطلاع پہنچی تو مولانا سمیع الحق صاحب نے درس ترمذی شریف اور دیگر اساتذہ نے اپنی کلاسوں میں مولانا مرحوم کے مناقب اور دینی خدمات پر روشنی ڈالی اور دعائے مغفرت کی حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے اخبارات کو تعزیتی بیان جاری کیا جس میں مولانا مرحوم کو تاریخ ساز مجاہد شخصیت قرار دیکر انہیں ان مرحوم اسلاف کا نمونہ اور یادگار کہا جن کی زندگی کا ہر لحظہ باطل کے تعاقب میں گذرا تاخیر سے اطلاع کے باوجود مولانا سمیع الحق صاحب نماز جنازہ میں شمولیت کے لیے بفہ روانہ ہوئے۔ مولانا انوار الحق صاحب استاد دارالعلوم جناب ممتاز خان صاحب اور احقر بھی ان کے ساتھ تھے۔ بحمداللہ نماز جنازہ میں شرکت اور مولانا مرحوم کے آخری دیدار کی سعادت سب کو نصیب ہوئی۔ اور وہاں موجود علماء اور پسماندگان سے دارالعلوم حقانیہ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی طرف سے اظہار تعزیت کیا گیا۔ اسی روز بعد از نماز عصر جامع مسجد دارالعلوم میں تمام طلبہ و اساتذہ نے جمع ہو کر ختم قرآن پاک کئے اور ایصال ثواب کیا گیا۔ مولانا عبدالحلیم دیروی مدرس دارالعلوم حقانیہ اور دیگر حضرات نے تعزیتی تقریریں فرمائیں۔ دوسرے دن شب جمعہ طلباء کی مختلف تنظیموں نے بھی اپنے ہفتہ وار اجتماعات میں اسی موضوع پر خطاب کیا اور ایصال ثواب و دعائے مغفرت کی گئی۔ دارالعلوم کے ابتدائے تاسیس سے لیکر آخر تک مولانا کا دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے جو تعلق رہا، اس بنا پر دارالعلوم اس عظیم سانحہ کو اپنا سانحہ سمجھتا ہے اور تمام پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے پورا حلقہ دارالعلوم مرحوم کے رفع درجات کا متمنی ہے۔

● حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی استاذ اعلیٰ دارالعلوم بعارضہٗ قلب علیل اور زیر علاج ہیں۔ تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

● ۵ر فروری پاکستان ٹوبیکو کمپنی (پی۔ ٹی۔ سی) کے چیئرمین جناب نظام اے شاہ نے مقامی انتظامیہ اور چیئرمین بلدیہ اکوڑہ و اراکین بلدیہ کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی ملاقات عیدگاہ کے توسیعی منصوبہ اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا اور بہت محظوظ ہوئے، انہوں نے الحق اور مؤتمر المصنفین وغیرہ کے شعبے بھی دیکھے ——— اسی روز افغان مجاہدین کی ایک جماعت قومی اتحاد افغانستان کے امیر مولانا فتح خان حقانی اور نائب امیر و دیگر حضرات جو دارالعلوم حقانیہ ہی کے فضلاء تھے جناب مدیر الحق سے ملاقات کی اور تبادلۂ خیالات کیا۔

≡

یادِ رفتگاں

مولانا محمد حسن جان - دارالعلوم اکبر مردان

حضرت مولانا رحمان الدینؒ نقشبندی

اس فقیر کے تمام اساتذہ کرام اور مشائخ رشد و ہدایت اپنی تعلیم و تربیت اور علمی و عملی زندگی کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کے مالک رہے ہیں۔ مگر ہر ایک کی شان بھی الگ رہی اور ہر پھول کی خوشبو دوسرے سے مختلف رہی ہے۔

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں
کہ ہر ایک دست بوسی کیا قدم بوسی کے قابل ہے

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقاء پہ ناز کرتی ہے مسلمانی

انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہو
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

میرے ان بزرگوں اور مشائخ کرام میں جن سے میرا واسطہ زیادہ پڑا اور جن کی صحبت سے زیادہ فیضیاب ہو جانے کی سعادت سے سرفراز ہوا وہ میرا تایا اور خسر استاذ مکرم بلکہ میرے والد بزرگوار کا بھی استاذ اور مربی۔ وہ حضرت مولانا الحاج ابوالفضل رحمان الدین نقشبندیؒ ہیں جن کا وصال بروز جمعۃ المبارک ساڑھے نو بجے صبح مورخہ ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۸۰ء ہوا اور اسی دن پانچ بجے عصر کو اپنی آخری آرامگاہ میں خلوت نشین ہو گئے۔ فنور اللہ تعالیٰ قبرہ وافاض علیہ شآبیب رحمۃ وغفرانہ وادخلہ فرادیس جنانہ۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم | مرحوم ۱۸۹۲ء میں اپنے گاؤں پڑانگ چارسدہ میں ایک علمی مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے جن کا سلسلۂ نسب عرب اور خصوصاً قریشی خاندان سے جاکر ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حضرت مولانا رحمان الدین ولد حضرت مولانا الحاج حافظ جمال الدین ولد حضرت مولانا حافظ خیر الدین ولد حضرت مولانا بختیار احمد ولد حضرت مولانا الحاج محمد حسن قریشی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ابتدائی تعلیم | ناظرۂ قرآن وغیرہ اپنے والد محترم حضرت مولانا الحاج جمال الدین المتوفی ۱۱ ذلقعدہ ۱۳۶۰ھ سے حاصل کر لی، گورنمنٹ پرائمری سکول پڑانگ سے پرائمری کے امتحان میں وظیفہ کے مستحق قرار دئے گئے۔ پھر گورنمنٹ مڈل سکول چارسدہ سے ۱۹۱۲ء میں پہلی پوزیشن میں مڈل پاس کر گئے۔ ایک سال تک گورنمنٹ سکول پڑانگ میں پڑھاتے رہے، پھر عم محترم حضرت مولانا فضل الدین مرحوم اور اپنے والد بزرگوار کی خواہش پر دینی علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور ملازمت چھوڑ گئے۔ ابتدائی دینی کتابیں حضرت مولانا عبدالحق صاحب المعروف بصاحب حق صاحب پڑانگ چارسدہ سے شروع کی، صاحب حق صاحب موصوف حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ کے پہلے خصوصی شاگردوں میں سے تھے۔ چنانچہ عم محترم نے ان سے علم صرف ونحو، فقہ اصولِ فقہ، میراث پڑھی ہیں، صاحب حق صاحب موصوف کے علاوہ ان کے علمی خاندان کے دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کر چکا ہے، اور وہ ہیں حضرت مولانا حکیم عبدالجلیل آف پڑانگ اور حضرت مولانا حکیم فیض الحکم صاحب فاضلِ دیوبند بعض علوم اور خصوصاً نظم وغیرہ موضع ابراہیم زئی تحصیل چارسدہ میں، مولانا مہمند صاحب اور مولانا قاضی آباد صاحب سے پڑھ چکے ہیں۔ منطق، فلسفہ اور علوم ریاضی کو میرے نانا بزرگوار حضرت مولانا سید علی صاحب مرحوم المتوفی ۱۳۵۶ھ سے پڑھ چکے ہیں ان فنون کی بعض کتابوں میں مولانا علی احمد صاحب آف پڑانگ اور کوہستان میاں صاحب سے بھی استفادہ کرتے رہے ہیں۔

مدرسہ بابو صاحب واقع نوشہرہ کلاں میں حضرت مولانا میاں سید حسن صاحب مرحوم ساکن ڈھیری سے تفسیر اور اصول تفسیر پڑھ چکے ہیں۔ دارالعلوم گنج پشاور شہر میں مولانا حکیم میاں صاحب کاکاخیل مرحوم اور مولانا میر عالم افغانی اور مولانا حکیم عبدالعزیز نوشہروی اور مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اور مولانا محمد شاہ کوٹو ہی صوابی فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور پھر دارالعلوم گنج پشاور شہر ہی میں حضرت مولانا الحاج شیخ الحدیث فضلِ ربانی متھروی پشاوری سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ التحصیل ہو گئے۔ دارالعلوم گنج میں اس وقت کے اکابرین وقت اور اساطین علم وفضیلت کے مبارک ہاتھوں سے آپ کی دستاربندی ہو گئی اور پھر دوبارہ گھر پر اپنے اساتذہ کرام اور علاقے کے چیدہ علماء کرام کے ایک بڑے اجتماع میں دستاربندی کی تقریب منعقد ہو گئی۔ اور اس وقت سے اپنی مسجد میں مسندِ درس وارشاد پر جلوہ افروز ہوئے

تصوف اور طریقت | ابتدائی زندگی اور تعلیم سے تصوّف اور خصوصاً نقشبندی احراری طریق تصوف سے لگاؤ اور شغف رہا، چنانچہ اپنے بزرگوں کے مشورہ اور استخارہ کے بعد اس وقت کے قطب ارشاد حضرت مولانا عبدالرحمٰن مرحوم المتوفی ۱۳۶۰ھ موضع بہادر کلی، پشاور سے شوال ۱۳۵۱ھ میں بعد از نماز جمعہ بیعت ہوگئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے جملہ اوراد اور وظائف و مراقبات اور سلوک کے مراحل طے کرنے کے بعد اپنے مرشد کیطرف سے مجاز بیعت ہوکر خلافت سے سرفراز ہوگئے۔

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب مرحوم، خانپوال سے بطور تجدید بیعت اور اشتراک طریقت بیعت کر چکے ہیں۔ فراغت علوم اور مجاز طریقت ہوجانے کے بعد ہمہ اوقات تا آخری لمحات درس و تدریس اور بیعت و ارشاد اور مطالعہ کتب میں مصروف عمل رہیں۔ کافی تعداد میں ان کے شاگرد مرید اور مجاز بیعت ہیں جن میں بعض ان سے پہلے وفات پا چکے ہیں۔

عادات اور خصائل | مطالعہ نہایت تحقیقی کیا کرتے تھے، کوئی بات بھی بلا دلیل یا مذہب و مسلک کے خلاف نہیں مانتے تھے، ہماری ہر کتاب پر ان کے اپنے حاشیے ہیں اور چونکہ تمام فنون کی تدریس کرتے رہے اس لئے ہر فن کی کتاب پر ان کی تحریرات ثبت ہیں۔ اور ہر فن میں مہارت اور دسترس کے مالک تھے، خط نہایت باریک اور خوشخط۔ دیوان مثنوی اور دیوان حافظ کے اشعار ازبر تھے۔ قرآن شریف اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، سننے پہ زار و قطار روتے تھے، خود نمازوں میں تلاوت کے ساتھ اکثر روتے اور کانپتے تھے۔ قبض و بسط کی حالتیں جلد طاری ہوجاتی تھیں۔ خلوت میں اکثر یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے سنا گیا ہے ع

بادشاہا جرم ما را در گذار ۔۔۔ ما گنہگاریم تو آموزگار

اور وظیفے کے دوران یہ جملہ زبان پہ جاری ہوجاتا تھا۔

"الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو"

تصنیفات اور تالیفات | عم محترم کی بعض اہم تصنیفات کے نام یہ ہیں، جن میں بعض زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور بعض ہنوز تشنۂ طباعت ہیں۔ ۱۔ سراج الاحسان لقاری القرآن ۔ ۲۔ اسرار المشحذ الصارم علی حلقوم مستخف العالم ۔ ۳۔ القاء الحق فی رد نعرۃ الحق ۔ ۴۔ تحقیق مسئلۃ الدعاء ۔ ۵۔ انکار الجماعۃ الثانیۃ فی مسجد المحلۃ دائما ۔ ۶۔ حل مشکلات التصوف ۔ ۷۔ حکم امامۃ الفاسق والعاق ۔ ۸۔ تحقیق بعض عبارات الصوفیۃ الکرام ۔ ۹۔ الدین النصیحۃ ۱۰۔ المیلاد الکبیر ۔ ۱۱۔ جمع المواعظ الحسنۃ ۔ ۱۲۔ ہدایۃ الطب ۔ ۱۳۔ ازالۃ فساد النظادیۃ عن کلمات اللہ الصادیۃ ۔ جمع المجربات فی المعالجات ۔ وغیرہ

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم پیٹڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ
کنول لنن، صنم پاپلین
ہمالیہ پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کانڈ پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۔۔۔ ۳۰ پاپلین
جمال ۔۔۔ ۵ لان
۲۔ ڈائمنشنز
صنم ڈیلکس پاپلین
پلوں کا ورڈ
سوٹنگ
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حُسین
کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں،
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دُکان پر،
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
جوبلی انشورنس ہاؤس، آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
کا ایک ڈویژن
(CCI) Crescent
HTM-1/77
SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب
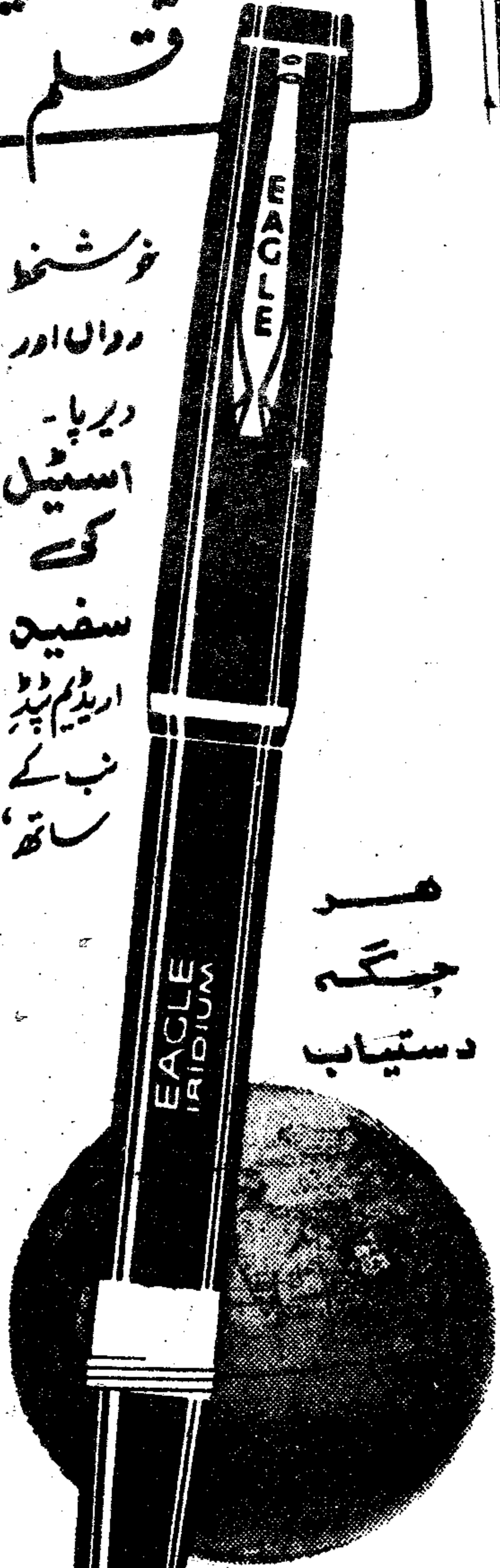
قومی جہازرانی کی بہتر سہولت کے لئے

پی این ایس سی

اپنے بیڑے میں ایک نئے جہاز کا اضافہ کر رہی ہے

ایم۔ وی۔ مالاکنڈ

پاکستانی شپرز کو معیاری اور فوری سروس مہیا کرنے کے لئے پی این ایس سی نے اپنے بیڑے کو جدید بنانے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔
ایم۔ وی۔ مالاکنڈ۔ ایک جدید کنٹینر بردار جہاز۔ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔
پی این ایس سی اپنے بیڑے میں اس جہاز کی شمولیت کے بعد جہازرانی کے میدان میں زیادہ موثر طریقے سے قوم کی خدمت کا عزم رکھتی ہے۔

پی این ایس سی۔ قومی جہازراں کمپنی

Parso, @ 80 PNSC-

REGD-NO.P-90
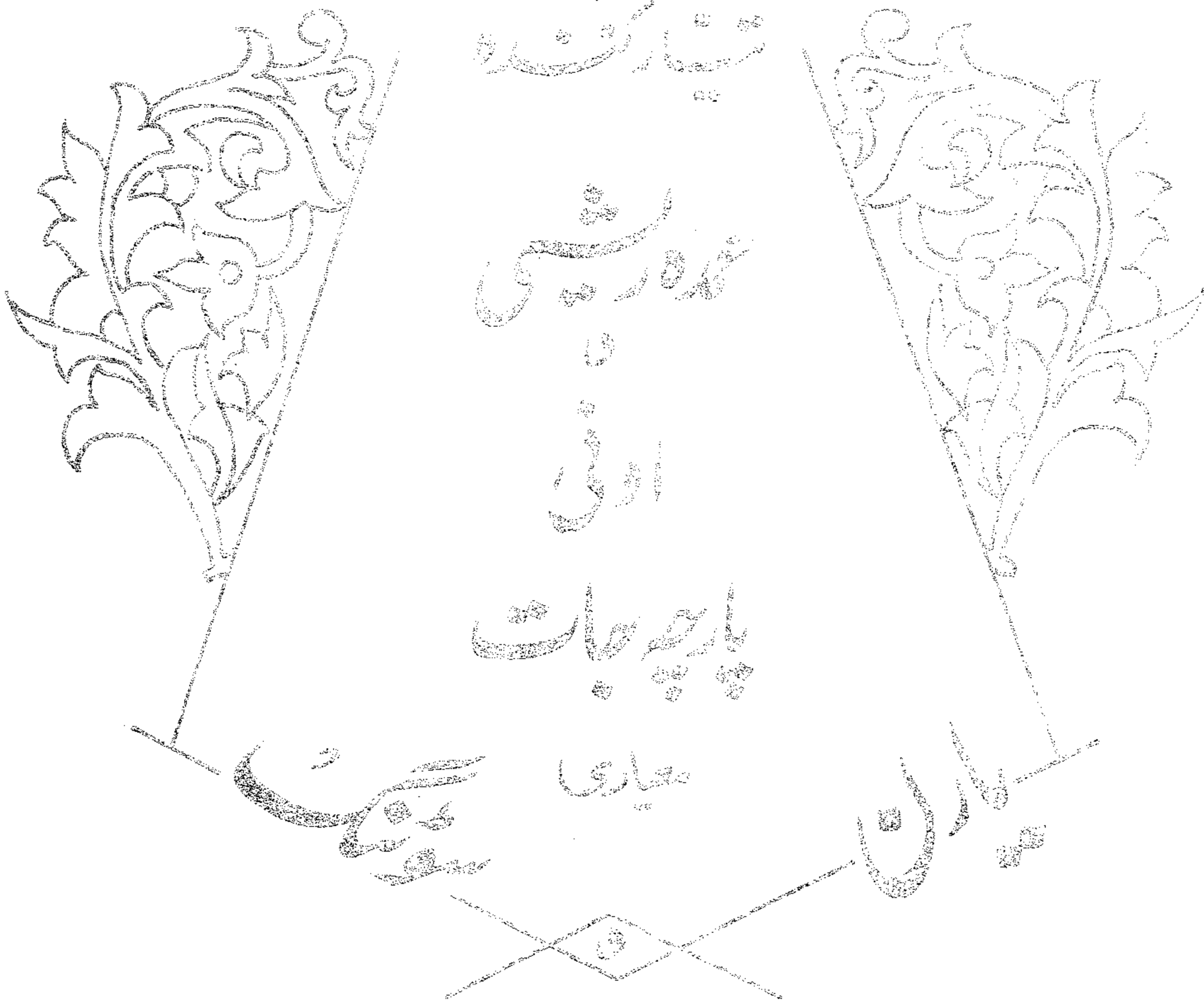
لارنس پور وولن اینڈ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
تیار کردہ
عمدہ ریشمی
و
اونی
پارچہ جات
معیاری
پائدار
ملز — داؤد پور (ضلع اٹک)
دفتر — ۴۸ نور الفلاح — شاہراہ قائداعظم لاہور
فون — 313342